قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۶۲۱۹

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر: عطاء الرحمٰن آرائیں

طابع: سید عبدالسلیم

مطبع: آفتاب عالم پریس

۱۳، ہسپتال روڈ، لاہور

فون ۲۲۷۳۹۲

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۶ ——— ستمبر ۱۹۹۳ء ——— شمارہ ۹

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: ۱۰/- روپے

فہرستِ مضامین

یادیں	ادارہ	۲
لمعات	ادارہ	۶
طلاق۔ طلاق۔ طلاق	حکیم مسیح الدین صدیقی حیدرآباد۔ بھارت	۱۰
سوچنے کی بات	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	۱۵
چانکیائی سیاست	صادق حسین طارق	۱۸
نورِ ہدایت	محمد نذیر خٹک	۲۳
تزکیۂ نفس	عبیدالرحمٰن ارائیں	۲۶
حقائق و عبر	ادارہ	۳۸
مذہب پرستی	ضیاء اللہ	۴۲
کیلنڈر قمری یا شمسی	اسلم رانا۔ ڈنمارک	۴۹
بچوں کے لئے	علامہ غلام احمد پرویزؒ	۵۷
63	Appeal to Voters	
67	US terrorism by Shakir Rizwani	
80	Decentralisation of Muslim Ummah is the basic cause of its debasement. By Dr.S.Abdul Wadud	

یادیں

زندہ قومیں اپنے محسنین و مشاہیر کی یادیں مناتی ہیں۔ ان تقاریب سے ان رفتگان کا کچھ نہیں سنورتا۔ نہ ہی ان کی یاد منانے سے ان کا کچھ بگڑتا ہے۔ وہ اس دنیا میں ہوتے ہی نہیں۔ ان تقاریب سے ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ ان مشاہیر نے جو احسان قوم پر کیا ہے اس کے لئے جذباتِ تشکر و عقیدت کا اظہار کیا جا[ئے] اور دوسرا یہ کہ نئی نسلوں کو اس حقیقت کی یاد دلائی جائے کہ دنیا میں نام اسی کا زندہ رہتا ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخشیوں کے کام سرانجام دے جائے۔ یہ تقریبیں قوموں کی زندگی ماپنے کا مقیاس ہوتی ہیں۔

گلہائے عقیدت بحضور رسالتمآبؐ (عید میلاد النبیؐ)

شجرِ زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی، تہذیب و تمدن کے پھول وحشت و بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے، حسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہرِ انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب و اخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت و سراسیمگی کے عالم میں، خاسر و نامراد انسان اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس و نا امید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ متیٰ نصر اللہ؛ یہ وقت تھا کہ فطرت کے اٹل قانون نے اس افسردگی و پژمردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا۔

اس ربِ ذوالمنن کا سحابِ کرم، زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزاروں جنتیں اپنے آغوش میں لئے، ربیع الاوّل کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور بلدِ امین کی مبارک وادیوں میں کھل کر برسا، انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزۂ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہو گئی۔ اعمالِ صالحہ کے خشک سرچشمے، حیاتِ

اور تجبر و استبداد میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی و سرکشی کی بادِ سموم، عدل و احسان کی جان بخش نسیمِ سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذرّوں کو اس ذاتِ اقدس و اعظم کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی۔ جو عالمِ موجودات کے سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی ہے جس سے شرف و مجدِ انسانیت کی تکمیل ہو گئی۔ جو علم و بصیرت کے اس اُفقِ اعلیٰ پر جلوہ بار ہے جہاں عقل و عشق، ناسوت و لاہوت، یہ اور وہ قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں۔ جو دانشِ روحانی اور حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آجاتی ہیں۔ نوامیسِ فطرت نے جنت سے نکلے ہوئے ابنِ آدم کے اس طلعتِ بیدار کا تقدیس و تمجید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیا کی طاغوتی قوتوں کے تخت الٹ گئے کہ وہ آنے والا آگیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب انسانی تصورات کی دنیا نار کی جگہ نور سے معمور ہو گئی۔ دنیا کے صنمکدوں کے بت پاش پاش ہو گئے کہ آج مسلکِ ابراہیمیؑ کی تکمیل کا دن آگیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جاکر منہ چھپا لیا کہ اب جور و استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے روپوش ہونے کا وقت آگیا۔ دنیا سے باطل کی تاریکیاں دُور ہو گئیں کہ آج اس آفتابِ عالمتاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے جگمگاتا چراغ کہہ کر پکارا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (۳۳/۴۶-۴۵)۔ وہ آنے والا جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (۷/۱۵۷) جب وہ آیا تو اس نے ان تمام اغلال و سلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جس میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آرہی تھی۔ احبار و رہبان کی برہمنیت کے طوق و سلاسل، قیصر و کسریٰ کی زنجیریں، توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں، تقسیمِ انسانیت کے انسانیت کش نسلی، جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار، سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے اور پابندِ قفس، طائرِ لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں، اِذنِ بال کشائی عطا ہوا اور انسان ایک بار پھر زمین پر سر اونچا کر کے چلنے کے قابل ہو گیا۔ انسانیت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ مل گئی۔ عقل کو عشق کا جنوں اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو شکوہِ خسروی اور بادشاہی کو استغنائے قلندری عنایت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامی کہ

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد ولیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى (۳۰/۵۰)

اس طرح وہ دلوں کی مردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔

(علامہ غلام احمد پرویزؒ)

نذرانۂ عقیدت بحضور قائداعظم محمد علی جناحؒ (بحوالہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء)

یہ ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان کی دس سال کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ آپ کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں پیش کر سکتے جس سے یہ ظاہر ہو کہ انہوں نے عام مقبولیت (پاپولیریٹی) حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کیا ہو۔ بلکہ اس کے برعکس، عوام میں ہر دلعزیز بننے کے لئے عام طور پر جن خصوصیات کو ضروری سمجھا گیا ہے، ان میں وہ بھی نہ تھیں۔ نہ وضع قطع، نہ تراش خراش، نہ رکھ رکھاؤ۔ حتّٰی کہ نہ وہ شاعرانہ تقریر بازی، جس کی قوم اس قدر خوگر ہو چکی تھی۔ نہ نصب العین کے مقابلہ میں کسی کے جذبات کی رعایت، نہ کسی کی خاطر اصول سے ایک قدم بھی انحراف۔ یہ وہ چیزیں تھیں جس سے اچھے اچھے مقبولِ عوام بھی غیر مقبول ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک مردِ خود شناس تھا کہ ان تمام موانعات کے باوجود ایسا ہر دلعزیز ہوا کہ اس کی موت پر کروڑوں آنکھوں نے، رات کی تنہائیوں میں جب کہ خدا کے سوا اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا، چپکے ہی چپکے آنسو بہائے اور ہر قلب نے یہ محسوس کیا کہ اس کا خود اپنا ایک حصہ الگ ہو گیا ہے۔ میرے گھر کا دیا بجھنے سے میرے ہی گھر میں اندھیرا ہوتا ہے۔ پڑوس والے کے ہاں بدستور روشنی رہتی ہے۔ لیکن سورج غروب ہو جانے سے ہر ایک کے گھر میں تاریکی کی سیاہ چادر بچھ جاتی ہے۔ یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی روشنی کو کسی خاص چار دیواری میں محصور نہ رکھے بلکہ ان حدود و قیود سے بلند ہو کر اپنی روشنی کو عام کر دے۔ تاریخ کی رسد گاہوں سے جا کر پوچھئے۔ یہ مقامِ بلند اسی کے حصہ میں آتا ہے جو بغیر کسی ذاتی غرض و غایت کے حق و صداقت کے نصب کے حصول میں اپنی زندگی کو وقف کر دے۔ ذرا سوچئے کہ بالآخر ہمارے پاس وہ کونسی متاعِ ملّی تھی جسے لے کر ہم اس بازارِ بیع و شریٰ میں نکلے تھے۔ ہمارے پاس تو وہ سوت کی انٹی بھی نہ تھی جسے لے کر وہ بڑھیا یوسف کی خریداری کے لئے بازار مصر میں آئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک پلیٹ فارم، ایک جھنڈا، ایک نصب العین، یہ تھی ہماری کل متاع۔ مسلمان جیسی قوم کو جس میں قوتِ برداشت ہی نہ رہی ہو۔ ہندو جیسی قوم کی غلامی سے چھڑا دینا جو اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام ان سے لینا چاہتی تھی۔ ایک اعجاز ہے حیرت انگیز۔ ایک تغیر ہے معجزہ نما۔ لیکن معجزہ ہے یہ فقط پختگیٔ کردار کا۔ کرامت ہے یہ صرف حسنِ اخلاص کی۔ اور پھر ان دونوں کے ساتھ سعیٔ پیہم اور عملِ متواتر۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آ گیا اور بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ

(اللہ کی اس پر ہزار ہزار رحمتیں)، ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو آسودۂ خاک ہو گئے۔ گو کہ قوم نے بصد عقیدت ان کا مزار تعمیر کر دیا لیکن ہمارے نزدیک ان کی بہترین یادگار اس نظام کا قیام ہے جس کے لئے پاکستان کا وجود عمل میں آیا ہے اور وہ نظام سوائے اس کے کیا ہے کہ اس خطۂ زمین پر کوئی شخص کسی انسان کا محکوم نہ رہے سب خدا کے محکوم ہوں۔ یہی نظام قائدِاعظم محمد علی جناحؒ کی صحیح یادگار ہے کہ باقی سب یادگاروں کا ثبات اسی نظام کے ثبات کے ساتھ وابستہ ہے۔ مٹی اور پتھر کی کس قدر بیش بہا یادگاریں ہیں جو ہمارے اسلاف نے ہندوستان میں قائم کیں۔ لیکن وہاں وہ اس نظام کو قائم نہ کر سکے جس میں مسلمانوں کی حیاتِ دوام کا راز مضمر ہے۔ اس لئے آج ان یادگاروں پر کوئی جھاڑو دینے والا بھی نہیں۔

نذرانۂ عقیدت بحضور شہدائے جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء

تشکیلِ پاکستان کے بعد، سال میں دو دن ایسے آتے ہیں جنہیں ہم حاصلِ مراد قرار دیتے ہیں۔ ایک یومِ پاکستان جب قوم نے اپنے لئے ایک جداگانہ آزاد مملکت کے حصول کے عزمِ راسخ کا اعلان کیا اور دوسرا یومِ آزادی، جب ہمارا مقصود حاصل ہو گیا لیکن اب ہماری حیاتِ اجتماعیہ میں یہ تیسرا دن آیا ہے جو ان دونوں دنوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس لئے زیادہ اہم ہے کہ ایک پیدائشی اندھے کی بینائی سے محرومی بھی کچھ کم وجہِ سوہانِ روح نہیں ہوتی۔ لیکن جو شخص بینائی حاصل کر لینے کے بعد کسی حادثہ سے پھر سے نابینا ہو جائے اس کی باقی زندگی کس قیامت خیز کرب و اضطراب سے گزرتی ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ حصولِ آزادی سے پہلے ہم آزادی کی لذت سے ناآشنا تھے۔ اس لئے اس سے محرومی، ہمارے لئے باعثِ دردِ سر تو ضرور تھی، وجہِ سوزِ جگر نہیں تھی لیکن آزادی ملنے کے بعد، اگر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے نتیجہ میں، خدا نکردہ، ہزار بار خدا نکردہ، ہم اپنی آزادی سے محروم ہو جاتے تو اس سے ہماری جو حالت ہو جاتی، اس کے تصور سے رُوح کانپ اٹھتی ہے۔ یہ وجہ ہے جو ہمارے نزدیک وہ دن، جب ہماری آزادی چھنتے چھنتے بچی اور ہماری متاعِ حیات لٹتے لٹتے محفوظ رہی، ہماری تاریخ کا عظیم ترین دن ہے اور جنہوں نے اس وقت اپنی جانیں دے کر ہماری زندگی کا سامان مہیا کر دیا، اس قابل کہ جب تک پاکستان زندہ و پائندہ رہے، خدا اسے ابدالآباد تک زندہ و پائندہ رکھے ۔ ملتِ پاکستانیہ کا ہر فرد، بصد خلوص و محبت اور بہ ہزار تسلیم و نیاز ! ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرے۔

سے کہ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش بانہالِ ملتِ ما سازگار آمد

اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۖ وَأُوْلٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُهۡتَدُونَ ۝ (۲/۱۵۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

وطنِ عزیز کے حوالے سے جو کچھ گزری اسے شاید ہم ابھی دلے بخیر گزشت نہ کہہ سکیں مگر بہرحال قوم نے اس کرب انگیز کیفیت سے تو چھٹکارا پایا جس میں وہ پچھلے کئی ماہ سے مبتلا تھی۔ سولی پہ لٹکی ہوئی قوم ہر لمحے پاؤں کے نیچے سے تختے کے کھینچ جانے کے خوف میں مبتلا تھی ــــــ

لیکن ذکر میرا گلی گلی ہے ابھی
مجھ پہ آئی کہاں ٹلی ہے ابھی

ابھی تو بند کمروں میں سیاسی جماعتوں کی میٹنگیں ہو رہی ہیں' ایک دوسرے سے سودے بازی ہو رہی ہے' گٹھ جوڑ طے پا رہے ہیں اور جب یہ مرحلہ مکمل ہو گا تو لنگر لنگوٹ کس کر یہ لوگ میدان میں نکل آئیں گے ــــــ بیان بازی' طعن و تشنیع' الزام تراشی اور کردار کشی تو ابھی سے شروع ہے' پھر یہ لوگ جلسے جلوسوں کا اہتمام کریں گے جس میں کفِ بردہان رہنمایان کرام ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالیں گے۔ شیشے کے گھروں میں رہنے والے ایک دوسرے پہ سنگ زنی کریں گے اور پھر ایک دن ــــ شاید دو دن ــــ دو ٹنگ کا ہنگامہ ہو گا ــــــ جیتنے والے نعرہ زنی ہنگامی آرائی کریں گے' ہارنے والے شاید پھر احتجاجی سیاست کریں ــــــ

آپ کہہ سکتے ہیں اس بار تو غیر جانبدار لوگ جو خود الیکشنوں میں حصہ نہیں لے رہے الیکشن کروا رہے ہیں مگران کی نیت پہ شک کئے بغیر آپ معروضی حالات کو سامنے رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس سے بھی مسائل حل ہوتے نظر نہیں آتے' کیونکہ الیکشنوں میں حصہ لینے والے وہی لوگ ہیں جو پچھلی اسمبلیوں میں تھے' شاید چند نئے چہرے نظر آئیں گے مگر وہ بھی انہیں کے بھائی بند' بھانجے بھتیجے ہوں گے ــــــ

ہم تو ان سیاسی جماعتوں کی اس قسم کی سیاست ہی کے قائل نہیں جس میں رہنمایان کرام ذاتی اور شخصی میدان سے زیادہ کوئی اور وابستگی اور مقصد نہیں رکھتے' ایک ایک جماعت کے کئی کئی دھڑے ہیں اور ہر دھڑا ہر دوسری جماعت سے سیٹوں کے لئے سودے بازی کر رہا ہے' مسلم لیگیں مسلم لیگوں سے مل رہی ہیں' جمعیت العلمائے اسلام (ف)

جمعیت علمائے اسلام (س) سے دست وگریبان ہے، جمعیت علمائے پاکستان نورانی اور نیازی کا بھی یہی حال ہے۔ جمعیت والوں میں دھینگا مشتی اور گولی کی زبان میں بات ہو رہی ہے، جماعت اسلامی اکیلی ہی اسلامک فرنٹ کا روپ دھار کر باور کرا رہی ہے کہ ہم میں ہر ایک سوا لاکھ کے برابر ہے، آجکل جماعت بڑی امریکہ مخالف سیاسی گروہ کے طور پر سامنے آ رہی ہے، اللہ بدگمانی سے معاف فرمائے جماعت کا ماضی دیکھتے ہوئے گمان گزرتا ہے کہ ہمیشہ سے امریکی وابستگی کی چھاپ لئے یہ جماعت کہیں بندگی سے مرا بھلا نہ ہوا کے ردِ عمل کے طور پر اور

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچئے

کے مصداق آج کی واحد سپر پاور کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی نئے انداز میں تو کوشش نہیں کر رہی،

جس انداز میں آج ہمارا بال بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے اور یہ قرضے سارے کے سارے اسی امریکہ بہادر یا اس کے ذیلی اداروں کے واسطے سے ملے، مل رہے یا مل سکتے ہیں ہمارے جیسا کوئی بھی ملک کیسے ان سب کے چنگل سے نکل سکتا ہے، کیسے ان کرم فرماؤں کو آنکھیں دکھا سکتا ہے، نہ تو اپنے ہاں تیل کا سمندر بہہ رہا ہے نہ سونے اور ہیروں کی کانیں ہیں، نہ ہی ہمارے رہنما انقلابی ایرانی راہنماؤں اور قذافی کا سا دم خم رکھتے ہیں ــــ ہمارا تو ماتھا ٹھنکتا ہے کہیں یہ بھی ادھر کا اشارہ تو نہیں۔

دکھانے کو ذرا آنکھیں بدل لو
وفا الزام ہوتی جا رہی ہے

بہر حال یہ وقت ہی بتائے گا کہ حقیقت کیا ہے، اب تو ولی خاں بھی منقار زیر پر ہیں، زیادہ سے زیادہ یہی کہتے ہیں کہ جمہوریت کی خاطر ہم مسلم لیگ کے ساتھ ہیں ــــ اگرچہ اپنے آپ کو آج بھی وہ سیکولرزم کے علمبردار کہنے پر مصر ہیں اور مسلم لیگ نفاذِ شریعت کی علمبردار ہونے کی حامی ہے ــــ یہ جمعیت جانیں تو بلور برادران کی سیکولر جمہوریت اور شریف برادران کی اسلامی جمہوریت کا اتفاق کن نقاط پر ہوگا۔

رہی پیپلز پارٹی تو روٹی، کپڑا اور مکان سے بڑھ کر اب نئے سوشل کنٹریکٹ کی راگنی ہے، ملاؤں سے اسلام کو نجات دلانے کا عزم ہے ــــ ساتھ ہی ساتھ جمعیت علمائے اسلام اور جمعیت علمائے پاکستان سے لے کر علامہ قادری کی پاکستان عوامی تحریک تک سے تعاون کی بات چیت چل رہی ہے، مزاروں پر حاضریاں دی جا رہی ہیں، چادریں چڑھائی جا رہی ہیں اور دمادم مست قلندر کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔

صورت حال الجھی ہوئی ہے، قومی دولت کی لوٹ مار کے الزامات، اربوں کھربوں کے غتر بود کی کہانیوں کے باوجود ہر ایک کو غیر جانبدار صرف سفر ہے شفاف الیکشنوں میں حصہ لینے کی آزادی ــــ کہیں یحییٰ خانی غیر جانبدارانہ الیکشنوں

کی سی صورت حال کی جانب رُخ نہ کرلے ـــــ

کئی غیر ملکی ایجنسیاں ابھی سے کہہ رہی ہیں کہ ان الیکشنوں کے نتیجے میں کوئی ایک جماعت بھی اس مضبوط پوزیشن میں نہ ہوگی کہ اپنی حکومت بنا سکے، چھوٹے چھوٹے گروہ مل کر ایک کمزور حکومت ہی تشکیل دے سکیں گے ـــــ

صاحبانِ عقل وبصیرت خوب سمجھتے ہیں کہ ناا ستوار کمزور، متزلزل حکومت کس اور کن کے مقاصد کی پابند اور غلام ہوگی، نہ وہ آزادی سے کوئی فیصلے کرسکے گی اور نہ سکون سے ملک کی بہتری کے لئے کوئی کام کرسکے گی،

اس تھوڑے سے عرصے میں نہ تو کوئی اقتدار میں نہ ہونے کے باوجود ہمہ مقتدر اربابِ سیاست پہ انکی زیادتیوں اور بے اصولیوں کے باوصف ہاتھ ڈال سکتا ہے اور نہ ان کے ہاتھ روک سکتا ہے، کسی میں اتنی ہمت ہی نہیں کہ کہ ان کا مواخذہ کرسکے، ہاں غیر جانبداری، صفائی، ستھرائی اور شفافیت کا بھرم رکھنے کے لئے قانون کو استعمال کرکے اتنا تو ہوسکتا ہے اور ہم ان سے اتنی امید تو رکھ سکتے ہیں کہ وہ الیکشن کی مہم پہ بے تحاشا اخراجات پہ پابندی لگائے، فرضی ناموں، فرضی ہمدردوں کی طرف سے اشتہاری مہمات کی حوصلہ شکنی ہو۔

ہر اُمیدوار کاغذاتِ نامزدگی کے ساتھ ہی اپنے سارے اثاثوں، جائداد وغیرہ اور اپنے ذرائع آمدن کا اعلان کرے ـــــ اور یہ بھی ذمّہ داری لے کہ اگر کسی مرحلے پر بھی ان میں سے کوئی بھی چیز غلط ہو تو وہ ازخود اپنی سیٹ سے مستعفی سمجھا جائے گا۔

الیکشن کی مہم کے دوران صرف مقررہ جگہوں پر مقررہ سائز کے اشتہار لگانے کی اجازت ہو جس میں صرف انتخابی نشان کی تشہیر کی اجازت ہو۔

محدود تعداد میں جلسوں کی اجازت ہو، بہتر ہو کہ باری باری اسی جگہ پر مختلف امیدوار جلسہ کرکے اپنے پروگرام کا اعلان کرسکیں، ان جلسوں میں کوئی اشتعال انگیز بات نہ کی جائے، کوئی غیر اخلاقی الزام تراشی نہ ہو، ایکدوسرے پہ غدّاری کے الزام نہ لگائے جائیں، کوئی فرقہ وارانہ جذبات ابھارنے کی بات نہ کی جائے۔

ریڈیو اور ٹی وی پر ہر پارٹی کو ایک خاص محدود وقت دیں جس میں ہر پارٹی اپنے منشور، اپنے مقاصد اور پروگرام پہ بات کرسکے۔

عمل میں تضادات، ان کی بہتری کے لئے اقدامات، ہر چیز پہ غور کرکے کوئی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے تاکہ حقیقی نمائندے ایوان ہائے قانون ساز تک پہنچ پائیں۔

ووٹروں کی آسانی کے لئے ٹی وی ووٹ ڈالنے کے سلسلے میں ان کی رہنمائی کے لئے پروگرام نشر کرے۔

پولنگ اسٹیشنوں سے باہر کیمپوں کا محدود اور مقررہ انتظام ہو۔

ووٹ کی خریدو فروخت کی سختی سے حوصلہ شکنی ہو۔

نہ پلاؤ کی دیگیں نظر آئیں نہ مرغوں اور بٹیروں کی۔

غنڈہ گردی اور اسلحہ کی نمائش اور استعمال کو پختہ ارادے اور آہنی ہاتھوں سے کچل کر رکھ دیا جائے اور اس سلسلے میں کسی سے نرمی نہ برتی جائے تاکہ ہر شخص کامل آزادی اور امن وسکون سے ووٹ کا حق استعمال کر سکے۔

پارٹی بدلنے والا از خود مستعفی سمجھا جائے۔

یہ سب مغربی جمہوریت کے تصور کے اندر رہتے ہوئے کیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مغربی جمہوریت جس سیکولر مزاج کی مظہر ہے کیا وہی ہمارا مطمح نظر ہے ——

صبح وشام جمہوریت جمہوریت سنتے سنتے کان پک گئے، وہ حضرات بھی جو الیکشن پہ امیدوار بننے کو خلافِ اسلام سمجھتے اور کہتے تھے، جنہوں نے قیام پاکستان کے وقت اپنے حامیوں کو ووٹنگ سے روکا وہ بھی آج جمہوریت کے چیمپئن بن رہے ہیں۔

درست ہے کہ اسلام میں مشاورت ہے مگر کیا اسلامی مشاورت کے یہی رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں کہ ایک ایک امیدوار کروڑ ڈیڑھ کروڑ روپیہ خرچ کر کے ممبر بنے —— وہ پہلے یہ تو بتلائے کہ یہ کروڑ ڈیڑھ کروڑ کہاں سے آیا۔

یہ جمہوریت ہمیں تو مغلیہ دور میں لے گئی تھی جہاں علاقے پنج ہزاریوں اور ہفت ہزاریوں کے رحم وکرم پہ ہوتے تھے، فرق صرف اتنا ہے کہ ہم نے ان کا نام ایم پی اے اور ایم این اے رکھ لیا اور خلقِ خدا کی تقدیر ان کے ہاتھ میں سونپ دی، کسی کا مقدمہ ہے، کسی کو بجلی کا کنکشن درکار ہے، ٹیلیفون چاہیئے، کوئی پڑھا لکھا بے کار ہے اسے نوکری چاہیئے تو وہ علاقے کے ایم پی اے ایم این اے کے کوچے کی دریوزہ گری کرے، وہ اس سے خوش ہوں تو قاعدے قانون بھی نرم ہو جائیں ورنہ اس کا اللہ حافظ! انگریزی پڑھے لکھے اس جمہوریت کی تعریف کرتے ہیں جمہور کی حکومت' جمہور کے لئے حکومت' جمہور ہی کی وساطت سے حکومت مگر آج کے دور میں یہ منتخب (جیسے بھی وہ منتخب ہوتے ہیں) لوگوں کی حکومت، منتخب لوگوں کے لئے حکومت، منتخب لوگوں کی وساطت سے حکومت ہو کر رہ گئی ہے — آج کا الیکشن کمیشن تو اس پہ غور نہیں کر سکتا مگر انتخابات سے فراغت پانے کے بعد الیکشن کمیشن کو امیدواروں کی چھان بین، احتساب، خود الیکشن کے عمل میں تضادات، ان کی بہتری کے لئے اقدامات، ہر چیز پہ غور کر کے کوئی لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے تاکہ حقیقی نمائندے ایوان ہائے قانون ساز تک پہنچ پائیں۔

حکیم محمد مسیح الدین صدیقی
حیدرآباد، بھارت

طلاق ۔ طلاق ۔ طلاق

قرآن کی روشنی میں

پچھلے دنوں اخبارات میں ایک فتویٰ شائع ہوا تھا کہ: "ایک ہی نشست میں تین طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ ایک ہی شمار ہوگی"۔ اس فتویٰ کے خلاف نام نہاد مفتیوں اور روایات گزیدہ "علماء" نے اپنی اپنی روایتوں کی بنیاد پر بیان بازیوں کے ذریعہ قومی پریس کو ملتِ اسلامیہ کے خلاف نکتہ چینی کرنے اور ہنسی اڑانے کا بھرپور سامان فراہم کر دیا ہے۔ بیچارے خانقاہ نشین اور مدرسہ کی چہار دیواریوں میں مقید ملا نہیں جانتے کہ اس طرح انہوں نے فتنہ انگیزیوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ خصوصاً ہندی پریس میں اسے کس طرح اچھالا اور ملت کو رسوا کیا جا رہا ہے اور خود اسلام کا چہرہ ان کی ان بیہودہ روایات سے کس طرح مجروح و مسخ ہو رہا ہے۔

اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ کسی بھی معاملے میں یا اختلاف و نزاع کی صورت میں فیصلہ صرف قرآن سے کیا جائے گا۔ دلیل، حجت اور کسوٹی صرف قرآن ہے۔ قرآن کے خلاف، جو بھی "روایات" یا "اقوال" ہیں تو دین میں ان کا کوئی معیار و مقام نہیں ہے اور نہ اللہ عزوجل یا رسول اکرمؐ نے ایسا کوئی حکم دیا ہے کہ قرآن کو چھوڑ کر لوگوں کے فیصلے پر عمل کیا جائے۔ کتاب الٰہی کے خلاف جو بھی روایتیں حضور اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ سے منسوب کی جاتی ہیں وہ سب باطل اور قطعی ناقابلِ قبول ہیں اور دیدہ و دانستہ ان پر بہتان باندھنا ہے ——

اب آیئے موضوعِ زیرِ بحث یعنی طلاق کے مسئلے کو قرآن کی روشنی میں پرکھیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (بقرہ ۲۲۹)

"طلاق دو ہی بار ہے. یعنی ایک مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ طلاق کے بعد پھر سے قانون کے مطابق آپس میں نکاح کر لیں یا حسن کارانہ انداز سے الگ ہو جائیں۔"

آگے یہ بتایا گیا کہ:

"اگر کسی میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ کی طلاق کے بعد تیسری مرتبہ بھی طلاق کی نوبت آجائے تو اس کے بعد یہ عورت اپنے سابقہ شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ ہاں البتہ اگر وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے اور پھر وہ بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرلے۔ بشرطیکہ انہیں توقع ہو کہ وہ اب قانونِ خداوندی کے حدود کی نگہداشت کر سکیں گے۔" (بقرہ: ۲۳۰)

کتاب اللہ کی رُو سے نکاح ایسے معاہدے کا نام ہے جو بالغ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان کی ازدواجی زندگی ناممکن ہو جائے اور فریقین میں سے کسی کی رضامندی باقی نہ رہے تو یہ معاہدہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ اسے طلاق کہتے ہیں جس کے لفظی معنی آزاد ہو جانے کے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس کے متعلق تفصیلی احکام دیئے ہیں اور اس کے لئے کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ ان شرائط کو پورا کرنے کے لئے اسے انفرادی نہیں بلکہ معاشرتی مسئلہ قرار دیا ہے۔ یعنی معاہدۂ نکاح کی تنسیخ (طلاق) کا حق تو میاں بیوی دونوں کو یکساں حاصل ہے۔ لیکن عواقب سے متعلق معاملات کے تصفیہ کے لئے معاشرے کا عدالتی نظام دخیل ہے ——— جیسا کہ بتایا گیا، معاہدۂ نکاح کی تنسیخ کا حق مرد اور عورت دونوں کو یکساں حاصل ہے۔ لیکن سمجھا یہ جاتا ہے کہ طلاق کا حق صرف مرد کو حاصل ہے اور وہ جب چاہے لفظ "طلاق" کہہ کر بیوی کو جدا کر سکتا ہے لیکن اگر یہی لفظ طلاق یا خلع کوئی عورت مرد سے ایک، دو یا تین بار کہہ دے تو اسے لائق اعتنا نہیں سمجھا جاتا تاوقتیکہ باقاعدہ طلاق یا خلع کی قانونی کاروائی عمل میں نہ لائی جائے۔ اس کے باوجود مرد کی جانب سے طلاق کی باقاعدہ قانونی کاروائی کے بغیر ہی صرف لفظ "طلاق" کو بندوق کی گولی سے زیادہ خطرناک قرار دے دیا گیا ہے کہ ادھر زبان سے نکلا اور اُدھر آناً فاناً ازدواجی زندگی نیست و نابود ہو کر رہ جاتی ہے ——— ہمارے یہاں دین کا ہر معاملہ "روایات" کی بھول بھلیوں میں الجھا کر رکھ دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے طلاق کا مسئلہ صرف یہ کہ ایک تماشا بن کر رہ گیا ہے بلکہ بنی بنائی زندگیوں کو اجاڑ کر قبرستان پہنچا دینے کا تابوت بن گیا ہے۔ ان ہی روایات کی رُو سے کسی مرد نے اگر ایک بار یا دو بار بھی لفظ طلاق کہا ہے تو اس سے عورت پر طلاق پڑ جاتی ہے۔ لیکن پھر اسے واپس بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہی لفظ تین دفعہ کہہ دیا جائے تو پھر عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ ... یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے کم از کم ایک شب اس سے ہم بستری نہ کرے۔ اسے "حلالہ" کہا جاتا ہے۔

جبکہ یہ حلالہ سراسر قرآن کے خلاف اور مطلقاً حرام ہے اور سوائے زناکاری کے کچھ نہیں ہے۔ لیکن نام نہاد مفتیوں اور روایتی مولویوں نے اسے اپنے لئے حلال کر رکھا ہے۔ یہ سارا تصور اور طریقہ مطلقاً قرآن کے خلاف ہے۔

طلاق کے بنیادی معنی ہیں کسی بندھن سے آزاد کرنا اور نجات دینا۔ اسے استعارۃً بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ طَلَّقَ کے معنی ہیں طلاق دینا۔ مُطَلَّقَۃٌ طلاق دی ہوئی عورت جس کی جمع مُطَلَّقٰتٌ (بقرہ: ۲۲۸) ہے۔ طلاق کا اطلاق اسی وقت ہوگا جب کہ میاں بیوی عقدِ نکاح سے آزاد ہو جائیں۔ محض طلاق کے ارادے یا نکاح کی خواہش ظاہر کرنے تو اس سے نکاح واقع نہیں ہو جاتا اور نہ نکاح، نکاح، نکاح کہہ دینے سے کوئی عورت اس کی بیوی بن سکتی ہے تاوقتیکہ نکاح کی شرائط پوری نہ کی جائیں اور قانوناً کسی عورت کو اپنے عقدِ نکاح میں نہ لایا جائے۔ اس طرح محض طلاق طلاق کہہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہو جاتی، جب تک کہ طلاق کی شرائط کی تکمیل نہ کی جائے اور قانوناً معاہدۂ نکاح فسخ نہ کرایا جائے۔

قرآنِ کریم کی رُو سے عقدِ نکاح کا فسخ کرنا میاں بیوی کا نجی معاملہ نہیں ہے۔ اس کے لئے عدالت (قضاۃ) کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور طلاق کا فیصلہ عدالت کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کے لئے طریقہ مقرر ہے۔ یعنی پہلے باہمی افہام و تفہیم، پھر ثالثوں کے ذریعہ مصالحت کی کوشش، پھر عدالت کے ذریعہ فیصلہ۔ جب معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ باہمی نباہ کی کوئی صورت نہ نکلے تو عدالت (قضاۃ) میاں بیوی میں علیحدگی کرا دیتی ہے۔ اس طرح قانونی شرائط کی تکمیل اور عدالتی فیصلے کی بنیاد پر تنسیخِ معاہدہ ہو جانے اور عقدِ نکاح کے بندھن سے آزاد ہو جانے کو "طلاق" کہتے ہیں۔ چاہے اس کے لئے زبان سے لفظ ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے یا لفظ طلاق ایک یا اس سے زائد بار ادا کرنا پڑے۔

خود قاضی صاحب بھی جب کسی کا نکاح پڑھاتے ہیں تو تین مرتبہ ایجاب و قبول کرواتے ہیں۔ لیکن اس تین مرتبہ کی تکرار یا تاکید سے تین الگ الگ نکاح مراد نہیں لئے جا سکتے۔ اس طرح اگر کوئی تاکیداً طلاق کے الفاظ کی تکرار کرے تو اتنی تعداد میں طلاقیں نہیں ہو جائیں گی۔ ایک سے زائد بار کسی لفظ کا ادا کرنا تاکید اور اہمیت کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ لفظ کے ہر تکرار کو ایک علیحدہ عمل یا جداگانہ معاملہ سمجھا جائے۔

طلاق کے معنی نکاح کی پابندی سے آزاد ہو جانا ہے۔ جب تک طلاق (قیدِ نکاح سے آزادی) عمل میں نہ آجائے محض لفظی طلاق کو طلاق کہا بھی نہیں جا سکتا۔ قرآن نے اس کی جو شرائط مقرر کی ہیں ان کی تکمیل کے ساتھ جب باقاعدہ فسخِ نکاح عمل میں آجائے گا تو اسے طلاق کہا جائے گا۔ صرف زبان سے طلاق، ایک بار یا تین بار یا اس سے زیادہ مرتبہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ میاں بیوی میں شدید قسم کی کشیدگی پیدا ہو جائے تو معاشرے کو چاہیئے کہ ایک نمائندہ خاوند کی طرف سے اور ایک نمائندہ بیوی کی طرف سے بلا کر ان میں مصالحت کرانے کی کوشش کی جائے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا

اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝
(نساء: ۳۵)

اگر میاں بیوی میں ناچاقی کا خدشہ ہو تو ایک ثالث خاوند کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے مقرر کرو۔ اس طرح اگر میاں بیوی مصالحت کا ارادہ کر لیں تو قانونِ خداوندی ان میں موافقت پیدا کر دے گا کیونکہ اس کا قانون علم و آگہی پر مبنی ہے۔" نیز یہ کہ

طلاق کے لئے عورت اور مرد دونوں کو یکساں حق حاصل ہے (نساء: ۱۲۸)۔ عورت بھی سلسلۂ جنبانی کر سکتی ہے (ممتحنہ: ۱۰)۔ طلاق کا اعلان اس قاعدے کے مطابق ہونا چاہیئے جو معاشرے کی طرف سے مقرر ہو (طلاق: ۱)۔ نکاح، مرد اور عورت دونوں کی طیب خاطر رضامندی سے ہوتا ہے (نساء: ۳ - ۱۹)۔ اس لئے طلاق کے لئے ان میں سے کسی کی عدم رضامندی (ناپسندیدگی) کافی وجہ ہے۔ لیکن اس میں اشتعال اور جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے (نساء: ۱۹)۔ اگر معاہدۂ نکاح عورت کی طرف سے فسخ ہوتا ہے تو عدالت عورت سے کچھ ہرجانہ دلا سکتی ہے (بقرہ: ۲۲۹)۔ مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ فسخِ نکاح تو وہ خود کرنا چاہے لیکن عورت کو تنگ کرے تاکہ فسخِ نکاح کی پیش کش عورت کی طرف سے ہو اور یوں وہ ہرجانہ کا مطالبہ کر سکے (نساء: ۲۰)۔

طلاق (فسخ نکاح) کے بعد عورت کے عدت شروع ہو جاتی ہے۔ اس مدت میں وہ دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔ مرد کے لئے عدت نہیں ہے (بقرہ: ۲۲۸)۔ عدت کے دوران، عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہو گی (طلاق: ۶)۔ عدت کے دوران طلاق واپس لی جا سکتی ہے۔ یعنی اگر طلاق عورت نے دی ہے تو اسے اس کے واپس لے لینے کا اختیار ہے اور اگر مرد نے دی ہے اور عورت بھی رضامند ہے تو مرد کو اس کا حق حاصل ہے (بقرہ: ۲۲۸) لیکن ایسا کرنے میں نیت یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ عورت کو دوبارہ بیوی بنا کر تنگ کیا جائے (بقرہ: ۲۲۹، طلاق: ۲)

عدت کے دوران طلاق واپس لے لینے کی صورت میں تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہو گی یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے دو جگہ "بمعروف" کہا ہے (بقرہ: ۲۲۹ اور طلاق: ۲)۔ یعنی اس طریقے کے مطابق جسے قرآنی معاشرہ کتاب الٰہی کی روشنی میں صحیح تسلیم کرلے۔ ویسے ایک جگہ "نکاح" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے (بقرہ: ۲۳۲)۔ بہرحال یہ ذیلی قوانین اسلامی حکومت یا قرآنی معاشرہ خود مرتب کر سکتا ہے۔

اگر طلاق واپس لے لی گئی ہے تو ٹھیک ــــ ورنہ اس امر کی تصدیق کے لئے کہ طلاق واپس نہیں ہوئی تھی، دو گواہوں کی ضرورت ہو گی (طلاق: ۲)۔ اگر قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کبھی نکاح فسخ ہو جائے تو اسے پہلی مرتبہ کی طلاق کہا جائے گا۔ اگر اس کے بعد میاں بیوی دورانِ عدت طلاق واپس لے لیں اور پھر ازدواجی رشتہ قائم کریں لیکن آئندہ زندگی میں اگر پھر کبھی تلخی و کشیدگی پیدا ہو جائے اور نوبت طلاق تک جا پہنچے تو اسے دوسری طلاق کہا جائے گا۔ اس کے بعد بھی یہ میاں بیوی اگر چاہیں تو دورانِ عدت طلاق واپس لے کر ازدواجی رشتہ قائم کر سکتے ہیں لیکن

اگر اس کے بعد بھی پھر کبھی طلاق کی نوبت آجائے تو یہ تیسری طلاق ہوگی۔ اب ان میں میاں بیوی کا رشتہ استوار نہیں ہوسکے گا۔ ہاں اگر وہ عورت کسی اور جگہ شادی کرلے اور قاعدے کے مطابق کبھی وہ بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو پھر یہ اپنے پہلے شوہر سے شادی کرسکتی ہے (بقرہ : ۲۲۹ - ۲۳۰) ——— یہ ہے قرآنی طلاق ——— جسے روایتوں نے ایک گورکھ دھندہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کاش مسلمان اپنے ہر معاملۂ زندگی میں قرآن سے روشنی حاصل کرسکیں۔

(بشکریہ حق و باطل ۱۶/۹۳)

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

سوچنے کی بات

۱۴ اگست ایک یادگار دن ہے،
اس دن دنیا کے نقشے پہ ایک نئی اسلامی مملکت وجود میں آئی تھی،
یہ مملکت اسلامیانِ ہند کی ایک دستوری آئینی پُرامن جدوجہد کے نتیجے میں وجود میں آئی۔
یہ عوام الناس کی ایک مردِ دانا کی رہنمائی میں غیر متزلزل یقین اور کامل اطمینان کا ثمر تھا۔ یہ ایک نئی قسم کی مملکت تھی۔
اسلام کی اوّلین مملکت کے صدیوں بعد یہ ایک منفرد مملکت تھی جو نسل، قومیت، جغرافیائی حد بندیوں، رنگ، زبان سب سے ماورا ایک مشترک ایمان، ایک آیڈیالوجی کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آئی۔ ورنہ ان خطوں کے (جو پاکستان بنے) رہنے والے اکثر و بیشتر لوگ اسی نسل، انہی آباو اجداد کی اولاد تھے جو صدیوں سے یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔

یہ مملکت ایک نئے نظریہ قومیت کی مظہر تھی ـــــ یہ لوگ جو اپنا ایک منفرد کلچر، ایک منفرد سوچ رکھتے تھے، جمہوریت کی بنا پر ایک متحدہ ہندوستان میں مستقل اقلیت کی شکل میں زندہ رہتے یا شاید وقت کے ساتھ ساتھ ان کی انفرادیت ختم ہو جاتی۔ جیسا کہ اب ہندوستان میں ہوتی جا رہی ہے بلکہ کافی حد تک ہو چکی ہے۔

قوموں کی انفرادیت ختم کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ انہیں جسمانی طور پر ختم کر دیا جائے، ان کو ملیامیٹ کرنے کا ایک اور زیادہ SUBTLE طریقہ ہے جو اب بھارت میں آزمایا جا رہا ہے، قوموں کے ذہنوں کو بدل دینا، انہیں ان کے ماضی اور ماضی کی روایات اور ثقافت سے کاٹ دینا اور اس طرح ان کی سوچ کو بدل دینا ـــــ اور ان میں سے زیادہ بریخ اشتہ لوگوں کو نمائشی اعلیٰ عہدے دے کر انہیں ناکارہ کر دینا ـــــ یہی تو ید تجوابنا رہم کی آج کی تفسیر ہے۔

آج ہندوستان میں کسی بھی قابلِ ذکر ملازمت کے لئے بلکہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں اپنے آپ کو آگے بڑھانے بلکہ ADJUST کرنے کے لئے دیوناگری رسم الخط میں ہندی لازمی ہے اور سارا اسلامی لٹریچر اُردو، فارسی، عربی

ایک اور ہی رسم الخط میں ہے، اس طرح سے سارا قدیم لٹریچر، ادب، آرٹ ان کے لئے اجنبی ہوگیا، سعدیؒ و خیام، رومی و اقبالؒ، قانون و طب، مذہبی لٹریچر حتیٰ کہ خود قرآن پڑھنا ایک مسئلہ بن گیا ہے، اور جب پڑھ ہی نہ سکیں گے تو سمجھنا کیا۔

یہی جان کر ایک مردِ خود آگاہ نے فراعین زمانہ سے کہا تھا کہ اس مظلوم و محروم قوم کو مجھے الگ کر کے ایک الگ خطے میں بسا لینے دو جہاں یہ اپنی زندگیاں اپنے تصور کے مطابق گزار سکیں، یہ وہی مطالبہ تھا جو صاحبِ ضربِ کلیم نے اپنے زمانے کے فرعون سے کیا تھا ــــ اور اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلا، آگ اور خون کا سمندر پاٹ کر مظلوموں کا ایک معتدبہ حصہ اس حصارِ امن میں داخل ہوا تو بہت جلد یہ ابتلا کو بھول گیا اور من و سلویٰ کا عادی ہوگیا

قافلہ سالار جلد رخصت ہوگیا

اور پھر

ان کے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

ان کے جانے کے بعد واقعی وہ نفسا نفسی کا دور شروع ہوا جو اپنی ذات سے شروع ہو کر اپنی ذات ہی پر ختم ہو جاتا ہے۔

اسلامی فلاحی مملکت، اسلام کے عدل عمرانی پر مبنی نظام صرف نعروں کی حد تک رہ گیا ــــ مساواتِ انسانیہ کے علمبردار اسلام کے نام پر بنی مملکت میں غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے گئے، اقربا پروری، رشوت، سفارش، دھونس، دھاندلی اور پھر اس سے بڑھے تو بداخلاقی، بدکرداری، غنڈہ گردی، سمگلنگ، منشیات فروشی اور اسلحہ بازی معمول ہوگیا، کچھ سال پہلے تک تو شریف لوگ نکلتے ڈرتے تھے، اب گھر میں خوف زدہ رہتے ہیں اور اس پہ دعویٰ یہ کہ ہم مومن ہیں، کون انہیں سمجھائے کہ مومنین کو تو خود اللہ تعالیٰ نے نوید دی تھی کہ وہ ہر قسم کے خوف ہی نہیں حزن سے بھی آزاد ہوں گے، خود امن میں ہوں گے، دوسروں کے لئے امن کے ضامن ہوں گے۔

اسلام کا نظام قائم کرنے کی بجائے صرف اسلام کا نام استعمال کیا گیا، مذہبی جماعتیں بڑھتی گئیں، ایک ایک جماعت کے کئی کئی گروپ بن گئے اور ہر کوئی اپنی جگہ اس کا قائد بن بیٹھا حالانکہ اس ساری امت کا قائد تو ایک ہی کو ہونا تھا جس کی اطاعت ہر ایک پر لازم ہونا تھی، یہ دراصل مذہبی جماعتیں ہے ہی نہیں، مولویوں کی سیاسی جماعتیں ہیں اور ہر مولوی اپنی جگہ پہ راگ الاپ رہا ہوتا ہے۔

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو،

جمہوریت، بنیادی جمہوریت، کنٹرولڈ جمہوریت، پارلیمانی نظام، صدارتی نظام، سب یہ بحثیں ہوئیں، کافی حد تک انہیں باری باری آزمایا بھی گیا مگر غریب لوگوں کے دکھوں کا مداوا نہ ہو سکا۔

بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

کوئی انہیں سمجھاتا کہ بات پارلیمانی یا صدارتی نظام یا کسی اور نظام یا ازم کی نہیں، تعلیم، تہذیب، تربیت، سیرت و کردار کی ہے۔ اچھے سے اچھا نظام ناکام ہو جاتا ہے جب اس کو چلانے والوں کو سیرت و کردار کی وہ بلندی نصیب نہ ہو جو آدم زاد کو مفادِ خویش سے بلند ہو سکنے کی قوت عطا کرتی ہے اور نسبتاً کمزور نظام میں بھی لوگ پرسکون، خوش اور خوشحال زندگی گزار لیتے ہیں اگر اس کو چلانے والے نیک اطوار اور نیک نیت لوگ ہوں۔

یہاں لوگ آئین کی باریکیوں میں کھوئے رہتے ہیں۔ ایک ایک آرٹیکل کی ذیلی شقوں تک کی بال کی کھال اتاری ہے اور کچھ نہیں بنتا اور ایسی مملکتیں بھی ہیں جو صدیوں سے چل رہی ہیں اور ان کا آئین لکھی ہوئی کتاب کی شکل میں موجود ہی نہیں، ــــ اور اس امت کو کون سمجھائے کہ ان کو آئین دینے والے نے سورۂ فاتحہ کے فوری بعد یاد دلایا کہ

ذالك الكتاب لا ريب فيه

یہ تمہارا ضابطۂ حیات ہے، یہی تمہارا رہنما ہے، یہی تمہارا آئین ہے، یہی قانون، زندگی میں جو معاملہ پیش آئے اس کی طرف رجوع کرو، اس کے روپ میں خالقِ کائنات تم سے ہم کلام ہے، یہاں سے جو راہنمائی ملے اسے آخری، حتمی اور یقینی جان کر اس پر عمل کے راستے تلاش کرو۔

آج ہم ہی نہیں سارا عالمِ اسلام کسی نہ کسی شکل صورتِ حال سے دوچار ہے اور وجہ اس کی صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ اپنے آئین سے مُنہ موڑ چکا ہے، نہیں جانتا کہ

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

ہماری ذمہ داری اس برادری میں سب سے زیادہ ہے کہ ہم نے یہ مملکت لی ہی اس لئے تھی، نہ اس کی کوئی لسانی بنیاد تھی، نہ علاقائی نہ نسلی اور نہ جغرافیائی، ایران اسلام سے پہلے بھی ایران تھا، مصر اسلام سے پہلے بھی مصر تھا، شام اسلام سے پہلے بھی شام تھا، لیبیا، تیونس اور الجزائر میں بھی مختلف قبائل آباد تھے، وہ ممالک اسلامی اس طرح ہو گئے کہ ان میں بسنے والوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا مگر ہم نے اسلام کا نظام قائم کرنے کے لئے ایک خطۂ زمین لیا، اگر ہم یہ نہیں کر پاتے تو ہمارے پاس اس مملکت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

یہ بات سب پاکستانیوں کے سوچنے کی ہے۔

صادق حسین طارق

چانکیائی سیاست

مدت گذری' لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہندو سادھو ہاتھ میں شربت لئے ایک درخت کی جڑوں میں ڈال رہا ہے' لوگ یہ دیکھ کر ایک دوسرے سے کہتے کہ کس قدر سست جگو' نیک اور صالح انسان ہے جو درخت کو بھی شربت سے سینچ رہا ہے' اس کی مہاتمائیت اور نیکی کے ہر سو چرچے ہونے لگے۔ جب رات ہوئی' ہر طرف سناٹا چھا گیا' جنگل میں کوئی آدم و آدم زاد نہ رہا تو اس ہندو سادھو نے کلہاڑا لیا' پہلے اس درخت کی جڑوں کو صاف کیا پھر اس کلہاڑے سے اس کی جڑیں کاٹ ڈالیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی' اب سادھو جی دن کو اس میں پانی ڈالتے اور رات کو ذرا اوپر کھینچ دیتے' اس عمل کا اثر یہ ہوا کہ چند دن کے بعد وہ خشک ہو کر زمین پر گر گیا' اب سادھو نے جو اس کو دیکھا تو اس سے مخاطب ہو کر کہا' ہم دکھ دینے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں اگر تمہارا کانٹا میرے دامن سے نہ الجھتا تو تم کو یہ سزا نہ ملتی۔ اس سادھو کو تاریخ چانکیہ یا کوٹلیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ مہاراجہ اشوک کے دادا چندر گپت موریہ کا وزیر با تدبیر تھا' اس نے بادشاہ کے لئے اصولِ جہانبانی پر ایک کتاب لکھی ہے جو ارتھ شاستر کے نام سے مشہور ہے' ان کی یہ کتاب قدیم سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی تھی۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ہندو قائدین اسے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں' اس میں انہوں نے جہاں اور بہت سی باتیں لکھی ہیں وہاں حکمرانی و جہانبانی کے چند اصول بھی تحریر کئے ہیں' ان میں سے چند اصول ہدیۂ قارئین ہیں۔

پہلا اصول : حصولِ اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کبھی نہ ٹھنڈی ہونے پائے۔

دوسرا اصول : ہمسایہ حکومتوں سے وہی سلوک روا رکھا جائے جو دشمنوں سے روا رکھا جاتا ہے تمام ہمسایوں پر ہمیشہ کڑی نظر رکھی جائے۔

تیسرا اصول : غیر ہمسایہ سلطنتوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں۔

چوتھا اصول : جن سے دوستی ہو ان سے دوستی میں ہمیشہ اپنی غرض پیشِ نظر رکھی جائے اور مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

پانچواں اصول: دل میں رقابت کی آگ ہمیشہ مشتعل رکھی جائے، ہر بہانہ سے جنگ کی چنگاریاں سلگائی جاتی رہیں، ...ں انتہائی تشدد سے کام لیا جائے حتیٰ کہ خود اپنے شہریوں کے مصائب و آلام کی بھی پروا نہ کی جائے۔

چھٹا اصول: دوسرے ملکوں میں مخالفانہ پروپیگنڈہ، تخریبی کاروائیاں، ذہنی انتشار پیدا کرنے کی مہم ہمیشہ جاری رکھی ...ے غیر ممالک میں اپنے آدمی داخل کر کے ففتھ کالم بنایا جائے اور یہ سب کچھ ایک تسلسل کے ساتھ کیا جائے۔

ساتواں اصول: رشوت اور اس قسم کے دیگر ذرائع سے اقتصادی جنگ جاری رکھی جائے اور ہمسایہ ملک کے غداروں کو خریدنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے خواہ اس کے لئے کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے۔

آٹھواں اصول: قیام امن کا خیال ہرگز دل میں نہ لایا جائے۔ خواہ ساری دنیا تمہیں اس پر مجبور کیوں نہ کرے۔ البتہ جب دیکھو کہ تمہیں شکست کا سامنا ہے اس وقت پورے زور و شور سے امن کی دہائی دو۔

یہ مختصر الفاظ میں سیاست کے وہ اصول ہیں جو ہندوؤں کے ایک مہاتما نے انہیں اس وقت دیئے ہیں جس زمانے کو وہ اپنی زبان میں "ست جگ" کا زمانہ کہتے ہیں۔ جو ان کے عقیدے کی رو سے ایک سچا زمانہ تھا، اس زمانے میں بھارت میں سچائی کا دور دورہ تھا۔ یہاں پر یہ بات بھی واضح کر دینے کی ہے کہ کوٹلیہ ان کے مہاتما ہیں یعنی پاک ہستی ہیں اور ان کی یہ کتاب "ارتھ شاستر" مذہبی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ منوسمرتی اور اپنشد کے بعد اس کا درجہ آتا ہے۔ گویا ان اصولوں کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ان کا مذہبی فریضہ ہے، دوسرے الفاظ میں منافقت ہندو کی روح اور مذہبی فریضہ ہے ان کے ہاں یہ کوئی گناہ یا بری چیز نہیں، اس کی گواہی سری پرکاش دیتے ہیں جو پاکستان میں بھارت کے پہلے ہائی کمشنر تھے، انہوں نے ۱۳ نومبر ۱۹۴۸ء کو تھیاسوفیکل ہال کراچی میں ایک تقریر جس کا عنوان تھا "ہندو مت ایک ضابطۂ اخلاق کی حیثیت سے" میں یوں ارشاد فرمایا۔

> "جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہندو مت کوئی مستقل اخلاقی ضابطہ متعین کرتا ہے جس پر سوسائٹی کی بنیاد رکھی جا سکے وہ ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے، ہندو مت انسانی زندگی کے لئے کوئی غیر متبدل اصول و اقدار پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ہر موقع اور ہر مقام کے لحاظ سے مختلف اصول وضع کرتا ہے جو ایک دوسرے سے یکسر متضاد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً وہ سوسائٹی کے ایک طبقہ (براہمنوں) کو اہنسا (عدم تشدد) کی تعلیم دیتا ہے تو دوسرے طبقہ (کھشتریوں) کو قتل و خونریزی سکھاتا ہے۔ وہ پنڈت کو کہتا ہے کہ سچ بولو۔ لیکن ویش (تجارت پیشہ لوگوں) کو کبھی اس کا پابند نہیں ٹھہراتا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ سچ بولنے سے تجارت میں نقصان ہوتا ہے اس لئے وہ انہیں جھوٹ بولنے کی اجازت دیتا ہے۔
>
> مختصراً یہ کہ وہ ایک قسم کے حالات میں سچ اور دیانت کی تاکید کرتا ہے تو دوسری قسم کے حالات میں جھوٹ اور فریب کو جائز قرار دیتا ہے...... کسی کو یہ بات اچھی لگے یا نہ لگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جس کا کھلے بندوں اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہندو مت میں کوئی اصولی زندگی قطعی نہیں۔ ہر مصلحت کے

لئے اس کا الگ اصول ہے ہندو مت ایک عملی مذہب ہے یہ جانتا ہے کہ ہر موقع پر دیانت اور سچائی سے کام نہیں چل سکتا اس لئے وہ کبھی ایسی تعلیم نہیں دیتا جو ممکن العمل نہ ہو۔ یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر ہندو مت ہزارہا سال سے مختلف حالات اور متبادل ماحول میں زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔"

ہندو مت کا یہی وہ دوغلا پن اور منافقت ہے جس کے شکار سب ہندو ہیں۔ تاریخِ ہند و پاک سے اس کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کا یہاں پر اظہار کریں گے تاکہ قاری کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔ مہاتما گاندھی ہمارے زمانے کے ایک بڑے ہندو لیڈر اور سیاستدان تصور ہوتے ہیں تحریکِ پاکستان کے دوران مسلمانوں کو اس کی چالوں سے بار بار واسطہ پڑا ہے اور ہر بار اور ہر وقت اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ تحریکِ پاکستان کا طالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ گاندھی ایک معمولی قسم کا وکیل تھا اور اس کو مہاتما اور بڑا لیڈر بنانے میں مولانا ابوالکلام آزاد اور بعض دوسروں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ شخص تحریکِ خلافت کے دوران چمکا اور اس دوران اس نے مسلمانوں کے جسدِ قومی کو فنا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اس کی ان کوششوں اور کاوشوں کو آئینہ دار کرنے کے لئے تفصیلی بحث کا یہ مضمون متحمل نہیں ہے۔ البتہ ان کی نشاندہی کئے بغیر چارہ نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تحریکِ خلافت کو اس شاطر ہندو نے اہنسا، ترکِ موالات، ستیہ گرہ اور سوراج کی تحریکوں سے ملا دیا۔ ان کے تحت یہ طے پایا کہ سرکارِ انگریزی کی ملازمتیں ترک کر دی جائیں، انگریزی حکومت کے خطابات واپس کر دیئے جائیں، انگریزی امداد سے جو سکول اور کالج چلتے ہیں انہیں بند کر دیا جائے، مسلمان ہجرت کر کے افغانستان چلے جائیں، انگریزی صنعتوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ سطحی لحاظ سے یہ تمام اقدامات بے ضرر معلوم ہوتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آیا تو سب سے پہلے علی گڑھ پر حملہ کیا گیا اور بنارس کو چھوڑ دیا گیا۔ ہندوؤں میں بہت سی جماعتیں تھیں، انہوں نے خطابات اور ملازمتیں چھوڑنے کی مذمت کی اور مسلمانوں نے اپنے جوش میں اس پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ ہجرت پر بھی روانہ ہو گئے۔ یہ تو خدا بھلا کرے چند مخلصین قوم کا کہ انہوں نے اس تحریک کو ناکام بنوایا۔ وہ امیر امان اللہ سے جا ملے اور اسے مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے افغانستان میں داخلے کو ممنوع قرار دے دے ورنہ ہندی مسلمان تو اس دامِ ہمرنگ زمین میں پھنس ہی گئے تھے اور ہندو کے وارے نیارے ہو جاتے۔ جب مسلمان ہی نہ رہتے تو تحفظات کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا۔ صرف انگریز اور کانگریس میدان میں رہ جاتے۔ یہ تو تحریکِ خلافت میں گاندھی جی کا کردار رہا۔ یہ اس شخص کا کردار تھا جو "سچائی کا مجسمہ اور اہنسا کا اوتار" تھا۔

بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظمؒ کو اس ذات شریف سے دن رات واسطہ پڑتا تھا۔ وہ ۱۹۴۲ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"(مشکل یہ ہے کہ) گاندھی جی کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا درحقیقت مقصد ہوتا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لاتے۔"

...ح اگست ۱۹۴۵ء کو ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جب ان کے (گاندھی کے) مفید مطلب نہیں ہوتا وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندہ نہیں وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں وہ کانگریس کے چار آنے کے ممبر بھی نہیں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو سارے ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں جب ادھر بوں سے کام نہیں چلتا تو مرن بھرت رکھ لیتے ہیں جب کوئی دلیل بن نہیں پڑتی تو اندرونی آواز کو بدل لیتے ہیں۔ کہیئے کہ ایسے شخص سے ہم کس طرح بات کر سکتے ہیں وہ تو ایک چیستان ہیں، معمہ ہیں۔"

ان کی انسان دوستی اور مہاتمائیت کا ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں۔ دوسری جنگِ عظیم کا زمانہ ہے انگلستان پر دن رات بمباری ہو رہی ہے، جاپانی کلکتہ تک پہنچ آئے ہیں آپ وائسرائے کے ہاں جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"جب میں لندن پر بمباری کی خبریں پڑھتا ہوں اور وہاں کے جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر جو کچھ گزرتی ہے اسے سنتا ہوں تو میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی ایسے نازک حالات میں میں انگریزوں کے لئے ہندوستان میں کسی پریشانی کا موجب نہیں بننا چاہتا میں تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر جنگ کے سلسلے میں بلا شرط تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جس سے وائسرائے بہت متاثر ہوئے اور ان کے تعاون اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔"

ادھر یہ حالت تھی اور ادھر کانگریس کی مجلسِ عاملہ میں یہ قرارداد پاس کرائی۔

"اگر حکومت ملک کے اختیارات کانگریس کی طرف منتقل کرنے کا وعدہ نہیں کرتی تو ہم ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، یہاں کے نظم و نسق کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیں گے انگریزوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔"

جب وائسرائے نے اس بارے میں استفسار کیا تو فرمایا۔ "میرا کانگریس پر کیا اختیار، میں تو اس کا چار آنے کا ممبر بھی نہیں ہوں۔"

گاندھی جی اپنے آپ کو اہنسا کا اوتار کہتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ کیسی ہی صورت حال پیش آ جائے تشدد کا استعمال نہ کیا جائے۔ یہ تصور انجیل کے اس فرمان کے بہت قریب تھا کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی پیش کر دو۔ انگریزوں کے لئے یہ تصور بڑا جاذب تھا۔ وہ گاندھی جی کی اس لحاظ سے بھی عزت کرتے تھے لیکن عملی زندگی میں ان کا عمل کیا تھا اس بارے میں ہم انہی کے الفاظ دہراتے ہیں۔

"اہنسا ایک دن میں نہیں سیکھا جاتا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے جسے دنیا برتتی چلی آرہی ہے یعنی جان و مال کی حفاظت ہتھیاروں کے ذریعے کی جائے۔ سندھیوں کو چاہیئے کہ لٹیروں اور حملہ آوروں سے اپنی حفاظت کے ڈھنگ سیکھیں۔"

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

محمد نذیر خٹک

نورِ ہدایت

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

جناب محمد نذیر خٹک، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول اشکئی (نوشہرہ) کا مقالہ جو ۲ مئی ۱۹۹۳ء کو ثانوی نظامتِ تعلیم پشاور کے زیرِ اہتمام نشتر ہال پشاور میں منعقد ہونے والی تعلیم القرآن کانفرنس میں پڑھا گیا۔

معزز خواتین و حضرات!

آج کی اس بابرکت تقریب کے منتظمین مبارک باد کے مستحق ہیں، کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، سیکنڈری ایجوکیشن کے حوالے سے یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی امتیازی کانفرنس ہے۔ امتیازی اس لئے کہ یہ کانفرنس خالص قرآنی تعلیمات سے منسوب ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اگرچہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بہت کچھ لکھا جائے گا ــــ یہ اس لئے کہ انسان عقلِ کل نہیں ہے۔ یہ اپنے مسائل حل کرنے کے لئے خارجی ہدایت کا محتاج ہے۔ اور قرآنِ کریم انسان کے لئے آسمانی رشد و ہدایت کی وہ آخری کڑی ہے جس کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کا تعارف ہی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے کرایا گیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اٹھا رکھا ہے۔ اس خدا نے جس کی بیسیوں صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (۲/۲۵۵)۔

جناب صدر!

قرآنِ حکیم اپنی صداقت کے ثبوت میں ہر دور کے مفکرین، مقننین اور ماہرین کو چیلنج دیتا آیا ہے کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ (۲/۲۳) لیکن تاریخ گواہ ہے کہ صدیاں گزر گئیں۔ انسان نے عقل کے بل بوتے پر جتنے بھی نظام آزمائے، چاہے وہ ملوکیت تھی یا آمریت، سوشلزم تھا یا کمیونزم، سیکولرازم تھا یا مغربی جمہوریت، سارے کے سارے ناکام ہو گئے۔ دوسری طرف نہ کوئی شاعر اٹھا نہ ادیب آگے بڑھا جو قرآنِ کریم

جیسا اسلوب پیش کر سکتا۔

جناب صدر! آج کا ترقی یافتہ انسان ایک ایسے نظام کی تلاش میں غلطاں و پیچاں ہے، جو عالمِ انسانیت کے لئے امن و سلامتی کا ضامن ہو۔ استحصال سے پاک ہو۔ عدل و انصاف کا مہیمن ہو۔ ایسا نظام جو مایوسی کی تاریک گھٹاؤں کے برعکس امید کی شمع روشن کر سکے۔ انسان کا یہ خواب صرف اس وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جب وہ خالص قرآنی نظامِ حیات کو اختیار کرے۔ کیونکہ یہی وہ نظام ہے جسے خود خدا نے انسان کے لئے پسند فرمایا۔ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (۵/۳)۔

جناب صدر! آیئے! اب یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اسلام بطور دین (نظامِ حیات) کیوں پسند فرمایا؟ وقت کی قلت کے پیشِ نظر میں موقع کی مناسبت سے قرآنی تعلیمات کا صرف اجمالی خاکہ پیش کر سکوں گا جو میرے ذاتی علم تک محدود ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم تو وہ بحرِ ذخار ہے جس سے ہر دور کا انسان اپنی علمی استعداد کے مطابق گوہرِ تابدار نکال سکتا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس کے معانی و مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر تمدن ایک مخصوص تصورِ حیات کا عکاس ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے زندگی صرف طبعی نہیں جس کے سارے تقاضے مادی ہوتے ہیں اور جسم کے منتشر ہوتے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی اصل "انسانی ذات" ہے اور انسانی ذات کی نشوونما ہی زندگی کی غایت ہے۔ قرآنی اقدارِ حیات پر عمل پیرا ہو کر انسانی ذات ارتقار کے مراحل طے کرتے ہوئے اگلی منزل میں داخل ہوتی ہے، بصورتِ دیگر واصلِ جہنم ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کی نشوونما رُک جاتی ہے۔ اچھے اور بُرے اعمال کے نتائج انسانی ذات ہی کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (۲۳/۱۱۵)۔

- قرآنِ حکیم کی رُو سے کوئی بھی انسانی عمل رائیگاں نہیں جاتا۔ قانونِ مکافات ہمارے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۹۹/۷-۸) قرآنی نظریۂ حیات کی ساری عمارت اسی قانونِ مکافات کی صداقت پر کھڑی ہے۔ صرف یہی وہ نظریۂ حیات ہے جو انسان کو اعمالِ صالحہ کے عوض اگلی منزل میں خوشگوار مستقبل کا مژدہ سناتا ہے اور موجودہ منزل میں تعمیری اور صلاحیت بخش کردار کے لئے جذبۂ محرکہ فراہم کرتا ہے۔
- قرآنِ کریم کا ہر دعوےٰ علم و بصیرت پر مبنی ہے۔ وہ قدم قدم پر ہمیں سوچ و بچار اور فکر و تدبّر کی دعوت دیتا ہے جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ان کے متعلق فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷/۹) اس سے ذرا آگے مومنین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (۲۵/۷۳)۔ اور تو اور اگر اپنے پروردگار کی آیات بھی پیش

ں جائیں تو یہ لوگ ان پر بھی بلا سوچے سمجھے نہیں آگرتے۔

قرآنِ حکیم انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ خانگی معاملات ہوں یا معاشرتی، سیاسی امور ہوں یا معاشی، خارجہ تعلقات ہوں یا داخلی صورت حال، حالتِ امن ہو یا حالتِ جنگ، قرآنِ کریم ہمیں اعتدال قائم رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور اعتدال ہی عدل و انصاف کا دوسرا نام ہے۔

- قرآنِ کریم تمام انسانیت کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے اور کھول کھول کر قوموں کے عروج و زوال کے اصول متعین کرتا ہے۔ قرآن نے اپنے دعویٰ کی تائید میں اقوامِ سابقہ کی تاریخ بیان کی ہے اور آئندہ نسلوں کو متنبہ کیا ہے کہ ان سے عبرت حاصل کرو۔ چنانچہ کسی بھی فرد، جماعت یا قوم کو محض جذباتی یا پیدائشی وابستگی سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ سربلندی کا دعویدار بنے تاآنکہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو عملاً قرآنی سانچے میں نہ ڈھال لے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط (۱۳/۱۱)
- قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص (۳/۱۰۲)۔ آج امتِ مسلمہ مختلف فرقوں، مسلکوں اور مکاتبِ فکر میں بٹی ہوئی ہے۔ نفاق کے اس شجرِ ممنوعہ نے ہمارے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں۔ پیرانِ حرم (اسلامی مملکتوں کے سربراہوں) پر لازم ہے کہ اپنے ذاتی اور علاقائی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر امتِ مسلمہ کے لامحدود وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآنی نظریۂ حیات کے تحفظ کے لئے یکجا ہو کر عالمِ اسلام کے خلاف سازشوں کو ناکام بنا دیں ورنہ یاد رکھیں۔

سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

قرآنِ کریم تو قائم و دائم رہے گا۔ لیکن ہم جو قولاً اس کے دعویدار ہیں لیکن عملاً نہیں، باقی نہ رہ سکیں گے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۵ (۴۷/۳۸)

ہمارا نام تک بھی نہ ہوگا داستانوں میں

والسلام

○○○

خُدا بنتا ہے ہم سے بے گھروں کے دل میں، لگتا ہے
محبت ہو گئی ہے لامکاں کو لامکانوں سے

حسین بخاری

تزکیہ نفس

معلم: عبیدالرحمٰن آرائیں

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم

احباب گرامی: السلام علیکم!

اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے میں اعظم صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے نہایت عمدہ کتابت کرکے تحریک طلوع اسلام کے اس تربیتی پروگرام کو دستاویزی شکل دی۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو کسی وجہ سے ان نشستوں میں شرکت نہ کر سکیں' یہ پیغام ان تک بھی پہنچ جائے گا۔ دوسرا یہ دستاویزیں جمع ہوتی رہیں گی اور یوں یہ ایک طرح سے سلیبس کی شکل اختیار کر جائیں گی' تاکہ یہ دوسری بزموں کے لئے مثال اور ہمارے بعد آنے والوں کے لئے معلومات کا ذریعہ بن جائیں۔ انہیں معلوم ہو کہ اس راستے سے جو پہلے گزرے انہوں نے کیا پڑھا' کیا سنا اور کیا کیا اور ہمیں کیا کرنا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم و تربیت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جس معاشرے میں بھی ہم ہوں اس کے پس منظر میں اسے سمجھنے کے لئے اس زبان میں اس کا مطالعہ ہونا ضروری ہے۔ مثلاً قرآن کریم عربی زبان میں ہے' ہم اردو کے مطالعے سے مانوس ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کو بہتر طور پر اسی وقت سمجھا جائے گا۔ جب اردو زبان میں اس کا مطالعہ موجود ہو گا۔ پرویزؒ صاحب نے جو لکھا وہ اس قدر وسیع و عمیق ہے کہ نہ تو وہ ایک آدھ کتاب پڑھنے سے سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی اس کا مطالعہ ہر کسی کے بس کی بات ہے۔ پرویزؒ صاحب کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے کافی مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ان مخصوص تربیتی نشستوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہم میں سے اہل علم اس لٹریچر کا عمیق مطالعہ کرکے اسے عصر حاضر کی زبان میں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کو اس تعلیم کو سمجھنے میں آسانی رہے اس کے آگے جو کچھ کرنا ہے وہ سب آپ کو خود کرنا ہوتا ہے' جو تبدیلی لانی مقصود ہے وہ تبدیلی آپ کو خود لانی ہوتی ہے۔ اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں جو کہ مشکل بھی ہے اور اہم بھی۔ تغیر قوم کا تعلق بالواسطہ تغیر نفس سے ہے۔ پچھلی دفعہ یہ سلسلہ جہاں منقطع ہوا تھا۔ اس کے آخری الفاظ تھے "بلکہ اسے دیکھنا چاہیے کہ اس نفس کی نشوونما کیسی ہوتی ہے" یہی چیز خدا کی قربت کا باعث ہے اور یہی وہ پیمانہ ہے جس سے قربت خداوندی کو ماپا جاتا ہے۔ نفس کی تبدیلی کے جو اصول قرآن کریم نے دیئے ہیں میں آئندہ سیشن میں پیش کروں گا۔ اس کا تعلق چونکہ نظام

حیات کے شعبے سے ہے۔ لہٰذا اس کے لئے وقت درکار ہے۔ ہم نے انسانوں کو ایک گروہ سے نکال کر دوسرے گروہ کی طرف لے جانا ہے۔ اس کے لئے قرآنی تعلیمات سے وابستہ رہنا اور ان پر عمل کرنا ازحد ضروری ہے۔ ابھی ابھی خاور صاحب نے سورہ جمعہ کی جو آیات تلاوت فرمائی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ہے کہ جو رسول اللہ تعلیم دیتے تھے وہ تعلیم ایک ذریعہ بنتی تھی ان کے نفس کی تبدیلی کا اور وہ تبدیلی ایسی ہوتی تھی کہ اس میں ان کے نفس کی نشوونما ہوتی تھی۔

یزکیھم۔ اس سے ان کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ نفس کیا ہے؟ گزشتہ نشست میں اس پر کافی گفتگو ہو چکی تھی۔ آج ہم دیکھیں گے کہ اس کے اندر تغیر کیسے رونما ہوتا ہے۔ تغیر نفس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں نفس کی صلاحیت کا علم ہو۔ اگر آپ کو نفس کی صلاحیت سمجھ آگئی تو اس میں تغیر کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ نفس کی صلاحیت کیا ہے اور اس میں تغیر کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لئے میں قرآن شریف کی سورۃ الشمس کی آیات پیش کرتا ہوں یہ آیت نمبر 7 سے لے کر نمبر 10 تک ہیں۔ میں مفہوم القرآن سے ان کا مفہوم پیش کروں گا اور ساتھ ساتھ اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ انسانی نفس کو جس انداز سے اسے متوازن بنایا گیا ہے **فالھمافجو رھاو تقو ھا** اور پھر جس انداز سے اس کے اندر اس امر کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ وہ چاہے تو غلط روش پر چل کر اپنے اندر انتشار پیدا کرے **فجو رھا** "فجر" کہ اس وقت چار سو سورج کی کرنیں پھیل جاتی ہیں۔ یہ لفظ یہیں سے انتشار کے لئے استعمال ہوتا ہے **و تقو ھا** اور چاہے تو انتشار سے محفوظ رہ کر مستحکم سے مستحکم تر ہوتا چلا جائے۔ یہاں پر خدا نے تقویٰ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ غلط اعمال کے نتائج کے نقصانات سے محفوظ رہنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ اگر آپ ان نقصانات سے بچ گئے تو اس کا مطلب ہو گا آپ مستحکم ہو گئے۔ خدا نے بتایا ہے کہ یہ استحکام کیسے پیدا ہوتا ہے۔ **قد افلح من زکھا** اس میں افلح کا لفظ قابل غور ہے اس سے کھیتی کا تصور سامنے آجاتا ہے یعنی اس کی محنت بار آور ہو گئی۔ اس کی فصل پک گئی۔ جس نے اپنے نفس کو "زکی" کر لیا **من زکھا** خدا نے مثال دی ہے کہ نفس کی کھیتی پروان اس وقت چڑھتی ہے جب وہ "زکی" ہو جائے

پرویزؒ صاحب نے اس کا مفہوم یوں لکھا ہے کہ جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی وہ کامیاب و کامران ہو گیا اس کی کھیتی پروان چڑھ گئی اور اسے زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا۔ **و قد خاب من دسھا** لیکن جس نے اسے مفاد پرستی کے بوجھ تلے دبائے رکھا اور بڑھنے نہ دیا تو اس کی کشت حیات ویران ہو گئی۔ اس کا شعلہ زندگی افسردہ ہو گیا' اس کی صلاحیتیں خوابیدہ کی خوابیدہ رہ گئیں۔ وہ اس چقماق کی طرح ہو گیا جس میں آتش فروزی کی صلاحیت تو ہو لیکن اس کی چنگاری کی نمود نہ ہو سکے اور اس طرح وہ پتھر کا پتھر رہ جائے۔ اس کو پرویزؒ صاحب نے بیج کی مثال سے سمجھایا ہے۔ ویسے بھی آپ سمجھ

سکتے ہیں کہ بیج کو آپ پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیں تو وہ پانی اور مٹی میں گل سڑ کر ختم ہو جائے گا۔ اگر اسے صحیح ماحول دیا جائے تو وہ بڑھ کر ایک تناور درخت بن جائے گا اور آپ کو پھل بھی دے گا۔ انسانی بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے اسے جو نفس ملتا ہے اس میں امکانی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ ان کو بار آور کرنے کے لئے نشوونما کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے کے قیام کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پوٹینشل امکانی (POTENTIAL) صلاحیتوں کی نشوونما کی جائے۔ ان صلاحیتوں کی نشوونما خدا کے احکامات اور تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے کی انتظامیہ اس امر کو یقینی بناتی ہے کہ ہر فرد معاشرہ کو ان تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کوئی دشواری یا رکاوٹ پیش نہ آئے۔ ابھی جو آیت گزری ہے۔ **قد افلح من زکھا** اس کے بارے میں قرآن شریف میں سورہ لیل میں وضاحت فرمائی **الذی یو تی مالہ یتزکی** اللہ تعالیٰ کے نزدیک تزکیہ نفس کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنا سب کچھ حسب ضرورت نوع انسانی کی نشوونما کے لئے دیتا ہے۔ اس سے اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ نفس عطا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اسے وسعت دی جائے۔ **قران کریم** میں جس قدر احکام و قوانین ہیں ان سب کا مقصد نفس کو وسعتوں سے ہمکنار کرنا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت 286 میں ارشاد ہے **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کے نفس کے لئے ہوتا ہے۔ بظاہر مقاصد کچھ ہوں لیکن فی الحقیقت ان کا اثر نفس پر پڑتا ہے۔ جیسے سورۃ عنکبوت کی آیت 6 میں ارشاد ہے۔ **و من جاھد فانما یجاھد لنفسہ** سورۃ لقمان میں ہے **و من یشکر فانما یشکر لنفسہ** اس طرح بخل کے بارے میں ارشاد ہے **و من یبخل فانما یبخل لنفسہ!** خدا کہتا ہے کہ تم جو کرتے ہو اپنے نفس کے لئے کرتے ہو۔ اگر تم اپنی دولت یا اپنی صلاحیت چھپا کر رکھتے ہو تو یہ تم اپنے نفس سے چھپاتے ہو۔ تمہارا یہ بخل تمہارے اپنے نفس کے لئے ہے۔ زکیٰ کے لفظ کو عموماً پاکی کے معنوں میں لیا جاتا ہے جبکہ قرآن کریم میں پاکی کے لئے طہارت کا لفظ آیا ہے۔ پاکی ایک منفی صفت ہے۔ اس میں آپ کسی چیز سے آلائشیں دور کر دیتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتی ہے۔ زکیٰ کے مفہوم میں پاکی کے ساتھ نشوونما بھی ہے۔ یعنی زکیٰ اس نفس کو کہا جائے گا جس میں آلائشیں نہ ہوں اور اس کے ساتھ وہ نشوونما بھی پائے۔ طہارت نفس اور تزکیہ نفس کے اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے اور اسی میں قرآن حکیم کی حکمت ہے۔ قرآن نے نفس کے لئے زکیٰ کا پروگرام دیا ہے۔ اس پروگرام کے مطابق معاشرے سے آلائشیں اور گندگیاں بھی دور کرنا ہوں گی اور ساتھ ساتھ نفس کی نشوونما کا ماحول بھی پیدا کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی نشوونما کے لئے جو اصول دیا ہے وہ اپنی دولت اور اپنی صلاحیتوں کا نوع انسانی کی رفعت کے لئے

استعمال کرنا ہے۔ یہ ایک فعال اور متحرک اصول ہے جو ہر فرد معاشرہ کو سرگرم عمل رکھتا ہے اور ہر معاشرے کو عروج کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے برعکس مذہب پرست طبقے کا اصول یہ ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النسا کی آیت نمبر 49 میں تنذیر دی ہے۔ **الم تر الی الذین یزکون انفسھم** انسانوں نے تزکیہ نفس کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے کبھی اس پر غور کیا؟ چلے کاٹنے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے سے تزکیہ نفس نہیں ہوا کرتا۔ **بل اللہ یزکی من یشا** تزکیہ خدا کے قوانین کے مطابق ہوا کرتا ہے اور یہ قوانین قرآن شریف میں موجود ہیں۔ آپ غلط راستے پر چل کر صحیح منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ منزل اور راستے کا تعین خدا نے کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں وہی کچھ کرنا ہو گا جو خدا کہتا ہے اور خدا نے جو کچھ کہنا تھا وہ قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ صرف جادہ قرآنی پر چل کر ہی ہم صحیح منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ خدا نے اسی لئے تغیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر ہم صحیح اعمال کریں گے تو تغیر اچھائی کی سمت میں ہو گا۔ اور اگر برے اعمال ہوں گے۔ تو ہم پستی کی طرف چلے جائیں گے۔ یہ خدا کے قوانین کا طریق ہے کہ وہ انسان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ انسان جس طرح کا عمل کرتا ہے وہ اسی طرح کے نتائج مرتب کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی و زوال اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اس قوم نے تزکیہ نفس کی جو راہ اختیار کر رکھی ہے وہ صحیح راہ نہیں۔ اس قوم کو اس راہ سے پلٹ آنا چاہئے اور ان اصولوں کو اختیار کرنا چاہیے جس سے نفس کی نشوونما صحیح طور پر ہوتی ہے۔ یہاں سے ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ یعنی ان اصولوں کا باب کہ جن کا نفس کی نشوونما سے بالواسطہ تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو اقامت دین کا حکم دیا ہے وہ دراصل اپنے اصولوں کی تنظیم کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان اصولوں کو زندگی کے مختلف گوشوں میں ایسی تنظیم سے نافذ کرو کہ تمہارے نفس کی نشوونما ہوتی رہے آئندہ اسی ضمن میں گفتگو ہو گی میں آپ تمام بھائیوں سے بھی عرض کروں گا کہ اگر آپ میں سے کوئی ان موضوعات پر اظہار خیال کرنا چاہے تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے۔ ان میں سے ایک ایک اصول نہایت اہم اور وسیع ہے۔ مثلاً پہلا اور بنیادی اصول ایمان ہے۔ یعنی ان تمام عناصر پر ایمان جو اس نظام کی نظریاتی بنیادیں ہیں۔ اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، ملائکہ، کتب اور انبیا کرام پر ایمان، اس ایمان کو قرآن شریف میں صراحتاً بیان فرما دیا گیا ہے۔ تقدیر سے پاک صاف ایمان اس ایمان کا تقاضا ہے کہ اپنی تقدیر خود بناؤ۔ یہ ہمارے ایمان کا نقطہ آغاز ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔ کہ وحی کی راہنمائی کے بغیر نفس کی نشوونما اور تغیر کے لئے کوئی پروگرام بھی کار آمد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم اصول تکریم انسانیت ہے۔ **ولقد کرمنا بنی ادم** اگر ہمارے دل میں انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اس کی فلاح کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم اس کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی

پروگرام تب ہی متعین کر سکتے ہیں جب ہماری نگاہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہو گی۔ اس کے بغیر گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ جو آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ انہیں جینے کا کوئی حق حاصل نہیں یا یہ کہ آپ جو کچھ سمجھتے ہیں وہی درست ہے تو پھر تغیر نفس کا بھلائی کی طرف مت سوچئے۔ جو قوم' جو معاشرہ جو تحریک تکریم انسانیت کی محافظ نہیں وہ آگے نہیں چل سکتی۔ تغیر نفس کے لئے ایمان کے بعد یہ دوسرا اہم اصول ہے۔ ان دو بنیادی اصولوں کے بعد پھر مختلف نظام ہیں' جو زندگی کے مختلف گوشوں کو محیط کئے ہوئے ہیں مثلاً نظام معاشرت اس میں افراد کی عائلی زندگیوں سے لے کر کاروباری لین دین تک کے معاملات کی تنظیم اور اصول آجاتے ہیں' جو قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اگر معاشرہ ان اصولوں پر قائم نہیں ہو گا تب بھی نفس کی نشوونما ممکن نہیں ہو گی دوسرا نظام' نظام معیشت ہے جسے عام اصطلاح میں روٹی کپڑے کا نظام بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ اصول اور اقدار آتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور لوگوں کے معاشی حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔ اگر یہ نظام صحیح خطوط پر استوار نہیں ہو گا۔ تو لوگوں کی نشوونما صحیح خطوط پر نہیں ہو سکے گی۔ اس کے بعد سیاسی نظام ہے۔ اس میں فرد اور ریاست کا باہمی تعلق' ریاست کی ذمہ داریاں' فرد کی آزادیوں کا تحفظ' قانون سازی وغیرہ شامل ہیں۔ اس نظام کو بھی خدائی پیمانے کے مطابق تشکیل ہونا چاہئے۔ چونکہ اس نظام میں قانون سازی آتی ہے۔ یعنی انسان کے اختیار اور ارادے پر پابندی لہٰذا یہ انتہائی اہم نظام ہے۔ انسان کو خدا نے آزاد پیدا کیا ان اقدار کو نافذ کرنے کا اسے اختیار ہو گا۔ اگر یہ اختیار ان لوگوں کو حاصل ہو جو نوع انسان کی منفعت کا سوچتے ہیں تو معاشرہ ترقی کرے گا۔ ورنہ ہر طرح کی نشوونما رک جائے گی۔ پھر تعلیم و تربیت کا نظام ہے۔ اس میں صوم و صلوۃ اور حج وغیرہ کے شعار بھی شامل ہیں۔ یہ شعار اللہ انسان کو اپنا پولیس مین خود بنا دیتے ہیں۔ اس پر کسی دوسرے کی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ آخری چیز جہاد ہے۔ یعنی مسلسل جدوجہد۔ اس میں قتال بھی شامل ہے۔ جب اعلیٰ اقدار کی حفاظت کا تقاضا ہو تو ان کے لئے جان دینا اور جان لینا لازمی ہو جاتا ہے۔ ان اقدار کا تحفظ ہمہ وقت جاری رہنا چاہئے۔ ان کے لئے جس طرح کی قربانی کی ضرورت ہو' مال و دولت کی' ہاتھ پاؤں کی' دل اور دماغ کی غرضیکہ انسان کو اپنے تمام وسائل بروے کار لانے ہیں۔ تھوڑے یا زیادہ جتنے بھی ہوں اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے صرف کرنا ہوں گے اپنے علم میں اضافہ کرنا بھی ایک جہاد ہے اس میں اگر آپ کسی دوسرے فرد کی مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے علم میں اضافہ تو کر سکتے ہیں۔ آپ کو ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے اگر آپ قرآن کسی کو سمجھاتے ہیں تو آپ کو خود قرآن سمجھنا چاہئے۔ یہ ہیں وہ موضوعات جن پر میں آئندہ نشستوں میں گفتگو کروں گا۔

ملک حنیف وجدانی

اکیسویں صدی کے تقاضے اور قرآن

(نظریہ، قانون سازی اور قوتِ نافذہ)

قسط ۴

انسانی ارضی شہریت

شاہکار تخلیق، انسانِ محترم کی ارضی شہریت کی تاریخ ان مہذب انسانوں سے شروع ہوئی ہے جن کے نمایندہ پر
...ل ہوئی اور وہ انسانی ذات۔ انا۔ روح کے حامل تھے، ان کی آزادی پر فطری پابندی نہ تھی۔ بلکہ وہ آزاد فطرت اور
...ی بذریعہ رسولؐ کے اجتماعی نکاتِ حیات پر چلنے کے قابل ہو گئے تھے۔

قبائلی اور وطنی شعور سے بلند و بالا، برتر و مفید شہریت کا تصور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا مرہونِ منت
...س سے اعلیٰ تر آفاقی تخیلِ شہریت کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دورِ سعادت مآب سے ہوئی۔
...س کی غایت الغایات حضور عزت مآب ختم المرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، اور یوں انسان
...نبی کی آخری کتاب "قرآنِ کریم" ہاتھ میں لے کر جہالت کے برعکس علم، بدعات کے برعکس حسنِ اخلاق،
...جات کے برعکس اجتماعی جنت اور فطری قوتوں سے ڈرنے کے برعکس ان کو تسخیر کرنے کے عزم و عمل سے میدانِ
...ں آیا۔ یوں وہ دورِ طفولیت سے نکل کر سنِ بلوغ میں داخل ہو گیا۔ اب انسان کے لئے فکری تجربات کی تاریخ
...ق دو ایسے نظائر بن گئے، جو اس کے لیے بہترین فیصلہ کرنے میں ایک قابلِ اطمینان ذریعہ تھے اور آج بھی ہیں۔ اب
...نے والے کا انتظار ختم ہو گیا اور مرکزِ تحقیق و تجسس "قرآنِ کریم" بن گیا۔

نیست ممکن جز بقرآں زیستن

...رآن، جہاں اس تاریخی اعجاز کا حامل ہے کہ وہ سرگذشت انبیائے کرام علیہم السلام اور اقوام و ملل کے عروج و
...ین خاکہ پیش کرتا ہے، وہاں انسانی ذات اور مستقل اقدار کے ذکرِ خیر سے تغیرِ نفس کا بہترین راستہ بھی دکھاتا
...سے امتِ مسلمہ کو یہ خاص الخاص امتیاز حاصل ہو گیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے جاں نثاران

صدیقین، شہداء، صالحین اور تابعین نے علم، اخلاق اور فتوحات کے محاذ پر وہ کارنامے سرانجام دیئے جو تاریخ عالم میں "مسلم تہذیب" کو ایک شاہکار کا درجہ دیتے ہیں۔ اسلامی انقلاب کی راہ میں حائل یا سدِ راہ بننے والے متر فین مشرکین اور حکمران (قبائلی۔ وطنی) مقابلہ پر آئے تو غزوات میں شکست کھا گئے۔ پھر سازشوں کے ذریعے اسلامی نظام کو بدنام کرنے اور تاریخ کو داغدار کرنے کے حربے شروع کئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تاریخ اس جاہ وجلال شان وشوکت، علم واخلاق اور احترام اسلاف والی نہیں۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے تھے، بدگوئیاں کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ جناب علامہ محمد اسلم جیراجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الامت" جلد ہشتم اسی انداز سے مرتب کی ہے۔ آج اسی نوعیت کی مزید تحقیقات اور تصانیف کی اشد ضرورت ہے ــــ تاکہ ہم اپنی "سازش شکار تاریخ" سے بدنما داغ صاف کرکے "انسانی ارضی شہریت" کا بہترین خاکہ پیش کرسکیں۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم کی شہریت کا تسلیم شدہ حق موجود ہے۔

فرد اور ملت کا معاہدہ

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ
بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط (۹/۱۱۱)

اللہ نے مومنین کی جانیں اور اموال جنت کے بدلے میں خرید لئے۔

انسانی دنیا میں اللہ کے قوانین (قرآن) کا نفاذ انسانی ہاتھوں (رسول اور جماعتِ مومنین) سے ہوتا ہے۔ مرکزِ ملت میں رسول اور جماعتِ مومنین کی مجلسِ شوریٰ، پھر جانشین رسول اور ان کی مجلسِ شوریٰ یہ معاہدہ طے کرتی ہے۔

"نظامِ خداوندی کے ساتھ ایک عظیم معاہدہ ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کی رُو سے نظامِ خداوندی ان کی جان اور مال خرید لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں انہیں جنت کی زندگی کی ضمانت دے دیتا ہے۔ ان تمام ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی اور ان کی صلاحیتوں کے نشوونما پانے کے تمام وسائل واسباب کی فراہمی اس نظام کے ذمے ہو جاتی ہے (۲۰/۱۱۰)۔ اس معاہدہ کے بعد وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریاتِ زندگی کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور نظامِ خداوندی کے استحکام کی خاطر عند الضرورت جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں نکل آتے ہیں۔ پھر یا تو دشمن کو قتل کرکے فاتح ومنصور واپس آتے ہیں اور یا خود اپنی جان دے دیتے ہیں اور مرنے کے بعد جنت کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ معاہدہ کوئی نئی بات نہیں، یہ سابقہ آسمانی کتابوں تورات اور انجیل میں بھی مذکور تھا اب تجدید قرآن میں کی گئی ہے۔" (مفہوم القرآن)

مسئلہ پر بارِ دگر غور فرمایئے۔

- اسلامی نظام کا امیر، خلیفہ، سربراہ، مسلمانوں کے اموال اور جانیں خرید تا ہے اور جنتی امن و سکون، خوف و حزن کے بغیر زندگی اور انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کے تمام تقاضے پورے کرنے کا معاہدہ کرتا ہے۔ افراد اپنی صلاحیتیں وقف کرتے ہیں۔ اموال اور جانیں وقف و سپردگی میں دیتے ہیں۔ اس طرح انہیں جنت بداماں معاشرہ ملتا ہے۔ جو اس معاہدہ میں شریک نہیں ہوتے۔ (جو ذاتی ملکیت اور مالی مفادات نہیں چھوڑنا چاہتے۔ ظاہر ہے وہ جان کب دے سکتے ہیں)۔
- جو ضرورت سے زائد مال نہیں دے سکتے، جو اپنی صلاحیتیں وقف نہیں کر سکتے، وہ جان دینے کے میدانِ جنگ میں بھی نہیں جائیں گے، اگر انہوں نے زبانی معاہدہ بھی کر لیا ہے تو عملاً اس کی خلاف ورزی سرزد ہو رہی ہے۔ ایسے افراد معاہدہ شکن اور پھر جماعت سے خارج قرار پائیں گے۔
- اگر معاہدہ کرنے والی اتھارٹی انسانی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما بذریعہ نظامِ تعلیم کا بندوبست نہیں کرتی تو وہ بھی معاہدہ شکن تصور ہوگی۔ وہ اسلامی معیار سے گر کر سیکولرازم یا عام حکومت کے زمرے میں داخل ہو جائے گی۔ اس کا اسلامی لیبل لگانا اُسے احتساب سے نہ بچا سکے گا کیونکہ اللہ حیّ و قیوم ہے۔

گھروں سے بے دخلی

وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ (۲/۸۵)

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ (۲/۸۴)

اگر غیر مسلم تک پُرامن شہری بن کر رہیں تو انہیں بھی گھروں سے نہیں نکالا جا سکتا۔ چہ جائیکہ خدا کی زمین پر لکیریں کھینچ کر چند لوگ مالک بن بیٹھیں۔ باقی انسانوں کے حقوق غصب کریں اور پھر اتنی دیدہ دلیری کہ ان پر مزارعین کے لیبل لگا کر گھروں سے نکال دیں، یہ فعل حرام ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خنزیر کا گوشت کھایا جائے۔ یعنی آگے چل کر لکھا ہے۔ (یعنی یہ حرکت کفر کے مترادف ہے)۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (۲/۸۵)

تم کتاب کے ایک حصّہ کو مانتے ہو اور دوسرے سے انکار کر دیتے ہو۔

قرآنی سیاق و سباق کے تسلسل کے طور پر آیت کے اس حصّہ کی صحیح ترین تعبیر صرف اور صرف یہی ہے کہ لوگوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے۔ جو یہ فعل کرتے ہیں اور نماز، روزہ سے دوسرے حصّے پر زیادہ عمل درآمد دکھاتے ہیں تو وہ پورے قرآن کے عامل نہیں قرار پا سکتے۔ اس نقطۂ نظر سے یہ بات طے شدہ ہے کہ "انسانی ارضی شہریت" ایک استحقاق ہے۔

کسی کو بھی اس کے گھر سے نہ نکالا جائے۔ فرض کیجئے ایک جگہ فوجی اہمیت کے لحاظ سے لی جا رہی ہے یا کوئی سرکاری ادارہ بنایا جا رہا ہے تو جو لوگ متاثر ہوئے ہیں ان کی رہائش کا پہلے بندوبست کیا جائے، بعد میں ان کو گھروں سے نکالا جائے۔ یہ قرآنی منشاء کے قریب تر ہے۔

قوانین شہریت

انسانی معاشرے کے لئے جو قوانین بنائے جائیں وہ مستقل اقدار کے مطابق ہوں۔ اس طرح انسانی ارضی شہریت ایک وحدت، اخوت اور یکساں قوانین والی بن جائے گی۔ وَھُوَ الْمُرَاد۔

(جاری ہے)

عرضِ حال

کچھ دوستوں نے طلوعِ اسلام میں شائع ہونے والے بعض اشتہارات پر غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ غم و غصہ طلوعِ اسلام کے ساتھ ان کی گہری وابستگی اور تحریک کے ساتھ ان کی بے پایاں محبت کا غماز ہے۔ جواب میں ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ بقول غالبؔ ؎

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی غم گسار ہوتا کوئی چارہ ساز ہوتا

ہمیں اپنے ان دوستوں کے جذبات کا بہرحال احترام ہے۔ اشتہارات میں سے قابلِ اعتراض مواد خارج کر دیا گیا ہے۔

ناظم ادارہ
محمد لطیف چوہدری

باب المراسلات

۱۔ محترم ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم!

جولائی ۹۳ء کے شمارہ میں محترم بشیر احمد عابد صاحب اپنے مضمون "اُوْلُوا النُّہٰی" میں لکھتے ہیں۔

"وہ خود بھوکا رہ کر دوسروں کی بھوک اس لئے نہیں مٹاتا کہ اسے خدا سے بہت محبت ہے یا یہ کہ ایسا کرنا انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ جذبات بھی قابلِ احترام ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اس کی نگاہ میں یہ عمل فطرت کا اٹل قانون ہے۔" (ص۱۸)

ان سنہری کلمات پر مجھے یہ خوش گوار اضافہ کرنے دیجئے کہ

(۱) حیوانیت سے بلند انسانی نصب العین اسی اٹل قانون سے وابستہ ہے۔

(۲) یہی اٹل قانون تغیرِ نفس کی بنیاد ہے۔

(۳) تغیرِ نفس کے بغیر معاشرہ میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

(۴) تغیرِ نفس بالقرآن ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ جس سے مسلسل چشم پوشی نے ہمیں آج یہ دن دکھائے ہیں۔

(۵) اور واقعی ۹ر جولائی کو ہمیں عزمِ سفر اور تشکیلِ کارواں کے باباجیؒ صاحب کے مشن کو جاری رکھنے کا عہد کرنا چاہیئے۔

اٹل قوانینِ فطرت سے دستگیری حاصل کرنے والا یہی طریقہ باقی رہے گا دیگر سیاسی بگولے عنقا ہو جائیں گے۔

۲۔ کویت کو آزادی دلانے والا "نٹ" اب گھر پر قابض ہو چکا ہے۔ نکلنے کا نام تک نہیں لیتا۔ صدام حسین کی دور اندیشی اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی ہے۔ اگر عرب ہی متحد ہو جائیں تو امریکہ کو دیس نکالا دیا جا سکتا ہے۔ آج عربوں اور مسلمانوں کا یہ مشترکہ مسئلہ دانشوروں اور حکمرانوں کے لئے ایک چیلنج بن چکا ہے۔ لیکن کوئی مردِ میدان موجود نہیں سوائے صدام حسین کے۔ ذہنوں کی یہ خلیج کون پاٹے گا؟

۳۔ محترم سید حیات النبی رضوی صاحب سے گذارش ہے کہ وہ مولانا محمد اسلم جیراجپوری صاحب کی تاریخ الامت جلد ہشتم کے تتبع میں اور علامہ تمنا عمادی صاحب کے متذکرہ مضمون کے مقابل ایک مکمل حوالہ جاتی کتاب تالیف فرمائیں۔ یہ وقت

کی اہم ضرورت ہے۔ اور اپنی تحقیق میں ایسی ہی دیگر کتب سے ضرور روشناس کرائیں۔

والسلام

ملک حنیف وجدانی

محترم ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم!

علامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب کو پڑھتے ہوئے، فکر و اسلوب کے حوالے سے چند چیزیں بڑی نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کی تحریریں، ان کے اپنے الفاظ اتنے نہیں ہوتے جتنے قرآن اور اقبالؒ کے ہوتے ہیں۔ روایتی انداز میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے خود کو "فنا فی القرآن و اقبال" کر لیا تھا۔

پرویزؒ صاحب کا اسلوب، ندی کے اس پانی کی طرح ہے، جسے اپنی پاکیزگی میں شرماتے ہوئے بہتے چلے جانا ہوتا ہے۔ اس میں ابوالکلام کی سی شور انگیزی اور مودودی کی ہیجان خیزی نہیں بلکہ شبلی نعمانی کی سی رومان پروری ہے۔

فکری لحاظ سے، چند تصورات بنیادی اور تشکیلی نوعیت کے ہیں، جنہیں انہوں نے بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ غالباً یہی کل متاع ہے جس پر پرویزؒ صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں نے کائنات کی پراسراریت میں انسان کے لئے جادہ و منزل کا پتہ پا لیا ہے۔

مکافاتِ عمل کا تصوّر

یہ تصوّر اپنے اندر متعدد گوشے رکھتا ہے۔ اس میں علت و معلول کا میکانکی جبر، آئین و نظم میں مچلتی ہوئی رافت و رحمت، تسخیر و آفاق گیری، حاصلاتِ تسخیر کی منصفانہ تقسیم، گویا اعمالِ خداوندی سے صفاتِ خداوندی کی طرف سفر، سب کچھ آ جاتا ہے۔

انسانی ذات کے اثبات و استحکام کا تصوّر

انسانی ذات کا اثبات، دراصل کائنات کے بالمقابل، انسانی ذات کی خود مختاری اور مستقل حیثیت کا اعتراف ہے۔ یہ تصور جہاں انسانی ذات کی انفرادیت کو نکھارتا ہے، وہاں اخلاقیات کے جواز کا واحد سہارا بھی بنتا ہے۔ مزید یہ کہ اس تصور سے انسانی رجائیت اور OPTIMISM اپنا اعتبار بناتا ہے، کبھی گردشِ لیل و نہار کا مخدوم ہو کر، کبھی حرکتِ کائنات میں پنہاں بعید کا امین بن کر، پرویزؒ صاحب، اقبالؒ کے تتبع میں انسانی ذات کے شعور کے تسلسل کو ہی آخرت کی بنیاد بناتے ہیں۔

دنیا و آخرت کے باہمی تسلسل کا تصوّر

پرویزؒ صاحب نے دنیا و آخرت میں موجود روایتی ثنویت کے تصور پر گہری ضرب لگائی اور دونوں کو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں بتایا۔ دنیا صرف دارالآخرت نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں دارالعمل ہیں جو کہ ایک لامحدود ارتقائی امکانات سے بھرپور زندگی رکھتے ہیں۔ دونوں زندگیوں کے اس باہم مربوط تصور پر انہوں نے کچھ اس انداز میں لکھا ہے کہ موت، خود اپنی موت مرگئی اور زندگی ہر کہیں دندناتی پھرتی ہے۔

ربوبیت کا تصوّر

اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے پرویزؒ صاحب کا قلم خصوصی گفتار و رفتار کا پیکر زیب تن کر لیتا ہے۔ گفتار میں شعریت اور عقیدت و محبت کے گہرے احساسات ہوتے ہیں اور رفتار میں رقص کناں انداز آجاتا ہے۔ غالباً یہی وہ تصور ہے جہاں ان کی قرآنی بصیرت، سرسید، اقبال اور اسلم جیراجپوری کے سلسلۂ روایت کو توڑتی ہوئی، ان بزرگوں سے بہت آگے نکل جاتی ہے۔

عبدالحی (میاں چنوں)

مرزا غلام حسین بھی چل بسے

مرزا غلام حسین، جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے، تحریکِ طلوعِ اسلام کے اسابقون الاولون میں سے تھے۔ گجرات میں وہ پرنسپل فین کے بانی اور بزمِ طلوعِ اسلام کے تادیر نمائندہ رہے ہیں۔ باباجیؒ کے ساتھ ان کے تعلقات اور گجرات اور جلال پور جٹاں میں تحریک کی سرگرمیوں اور باباجیؒ کے دوروں میں ان کی معاونت سے احباب اچھی طرح آگاہ ہیں۔ مرحوم کی وفات پر جہاں ان کے پسرانِ حقیقی مرزا محمد جمیل، مرزا عطاء الرحمٰن، مرزا طارق اور ان کے بھانجے ڈاکٹر محمد اکرم مرزا اور دوسرے لواحقین صدمے سے دوچار ہوئے وہاں ان کی موت، بزمِ طلوعِ اسلام گجرات کے لئے بھی ایک ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث بنی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے اس شیدائی کو یوم الدین کی نعمتوں سے مالامال فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

(ناظمِ ادارہ)

حقائق و عبر

گدھا گاڑی اور جمہوریت

"پولیس کا سپاہی عمر بھر لاٹھی چلاتا ہے مگر اس کے لئے میٹرک پاس ہونا لازم ہے، اسمبلیوں کے ارکان جمہوریت چلاتے ہیں لیکن ان کے لئے کچی پکی پاس ہونا بھی لازم نہیں، جو بھی آئے جیسا بھی آئے اور جیسے بھی آجائے قبول۔ ہم کہتے ہیں کہ جمہوریت کی گاڑی اور گدھا گاڑی میں تمیز کرو۔ ارکانِ اسمبلی کے لئے کچھ تو معیارِ تعلیم و تربیت مقرر کردو۔ جواب آتا ہے، یہ جمہوریت کی روح سے متصادم ہے۔ باپ وفاقی اسمبلی کا رکن ہے، بیٹا صوبائی اسمبلی میں بیٹھا ہے، چھوٹا ضلع کونسل پر قابض ہے، بزرگ وفاقی وزیر ہے تو خود صوبہ میں وزارت کر رہا ہے۔ صنعت اور تجارت میں اجارہ داری نقصان دہ ہے تو حکومت میں اجارہ داریاں اور قبضہ گروپ کیسے مفید ہوئے؟ وہ کہتے ہیں جمہوریت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگر جمہوریت میں ایسا ہی ہوتا ہے تو پھر جمہوری نظام ایسے ہی چلے گا جیسا چل رہا ہے۔" جو بھی جیسا بھی اور جیسے بھی" اس سے بہتر "خدمت" اور کارکردگی کی توقع اجتماعی زیادتی ہے۔"

(ماہنامہ محقق، جولائی ص ۱۶)

جمہوریت ناکام ہوگئی

"پاکستان میں مغربی جمہوریت کا سیاسی نظام موجود رہا ہے۔ اس سسٹم کے ماتحت سیاسی پارٹیاں قائم ہیں، انتخابات ہوتے رہتے ہیں، پارلیمنٹ وجود میں آتی ہے، قائدِ ایوان، قائدِ حزبِ اختلاف اور دیگر چھوٹی پارٹیوں کے نمائندے ایوان میں ہوتے ہیں۔ یہ لادینی اور کافرانہ نظام

سیاست، منافق اور مفاد پرست سیاستدانوں کو سیاسی کھیل کھیلنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور یہی لوگ اب تک اس سسٹم میں قلابازیاں کھا رہے ہیں۔ ایک بات ان تمام حکمرانوں میں مشترک ہے وہ ہے "ذاتی اقتدار کے لئے ایک دوسرے کو دھوکا دینا"۔

پاکستان کا موجودہ بحران بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ صدر غلام اسحاق خان کو آئندہ ٹرم کے لئے صدارتی امیدوار ہونا تھا انہوں نے نواز شریف پر دباؤ ڈالا، انہوں نے دباؤ قبول نہیں کیا تو وزراء اور اسمبلی کے اراکین سے استعفے لینے شروع کئے، بعد میں بے نظیر بھٹو نے ان کا کام آسان کر دیا، یوں انہوں نے مرکزی پارلیمنٹ توڑ ڈالی، سپریم کورٹ نے ان کے اقدام کو غلط قرار دیا مگر ضدی پٹھان نے جنگ آگے بڑھا دی اور نواز شریف کو کسی قیمت پر برداشت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بے نظیر نے بھی بھرپور ذاتی مفاد کا چکر چلایا۔ کبھی صدر کے پیروں جا کر پڑتی ہے کہ نواز شریف کو ہٹاؤ اور کبھی نواز شریف سے مذاکرات کر لیتی ہے تاکہ صدر پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ یوں جہاں مفاد نظر آیا وہاں پہنچ گئی۔ نواز شریف کو بھی اپنے اقتدار کے علاوہ کچھ نہیں چاہئے جیسے جہاں اور جس طرح بھی ہو دولت خرچ کر کے، مصالحت کر کے، بڑی طاقتوں کے سامنے جھک کر، مگر اقتدار اپنے پاس رہے۔ اس وقت ملک کے تینوں بڑے صدر، وزیر اعظم اور قائد حزب اختلاف لیلائے اقتدار کے لئے مجنونانہ حرکتوں پر اتر آئے ہیں، ملک و ملت کا کوئی لحاظ نہیں۔ در پردہ بات یہ ہے کہ امریکی سامراج اپنے عالمی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کے ان تینوں بڑوں کو استعمال کر رہا ہے اور ان کے ذریعے وہ باتیں کروا رہا ہے کہ جس سے ملتِ اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے اور ملک کا نقشہ اس طرح ترتیب پائے جس سے عالمی کفر کے مفادات پورے ہوں"۔

(ماہنامہ الفجر کراچی، اگست ۹۳ء صفحہ ۳/۴)

"غفلت" عورت کے لئے حُسن ہے۔

"آج الٹا زمانہ آگیا ہے، اس واسطے قدریں بدل گئی ہیں، خیالات بدل گئے ہیں، ورنہ بات یہ ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب ہے۔ بسا اوقات وہ عورت کے حق میں حسن اور اچھائی ہے۔ اگر ہم قرآن کریم کو غور سے پڑھیں تو قرآن کریم سے یہ بات نظر آجاتی ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی وہی چیز عورت کے بارے میں حسن قرار دی گئی اور اس کو نیکی اچھائی کی

بات بیان کی گئی۔ مثلاً مرد کے حق میں یہ بات عیب ہے کہ وہ جاہل اور غافل ہو اور دنیا کی اس کو خبر نہ ہو، اس لئے کہ مرد پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کاموں کی ذمہ داری رکھی ہے۔ اس لئے اس کے پاس علم بھی ہونا چاہیئے اور اس کو باخبر بھی ہونا چاہیئے۔ اگر باخبر نہیں ہے بلکہ غافل ہے اور غفلت میں مبتلا ہے، تو یہ مرد کے حق میں عیب ہے، لیکن قرآنِ کریم نے غفلت کو عورت کے حق میں حسن قرار دیا۔ چنانچہ سورۂ نور میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

(سورۃ النور: ۲۳)

"یعنی وہ لوگ جو ایسی عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں اور غافل ہیں یعنی دنیا سے بے خبر ہیں۔" تو دنیا سے بے خبری کو ایک حسن کی صفت کے طور پر قرآنِ کریم نے بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت اگر دنیا کے کاموں سے بے خبر ہو اور اپنے فرائض کی حد تک واقف ہو اور دنیا کے معاملات اتنے نہ جانتی ہو، تو وہ عورت کے حق میں عیب نہیں بلکہ وہ صفت حسن ہے جس کو قرآنِ کریم نے صفتِ حُسن کے طور پر ذکر فرمایا۔"

(ماہنامہ البلاغ، کراچی، اگست ۹۳ء، صـ۲۷)

طلوعِ اسلام

جو تیرا حسن کرشمہ ساز کرے

آیت مذکور کا مفہوم یوں ہے کہ "جو لوگ ایسی پاکدامن عورتوں کے خلاف جو بدکاری کے نام تک سے ناآشنا ہوں، تہمت تراشیں۔"

"نیلام گھر" میں انصاف کا نیلام

ہفت روزہ الاعتصام نے اپنی ۱۶ جولائی ۹۳ء کی اشاعت میں محرم الحرام کے حوالہ سے پیش کئے گئے پروگرام میں محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو ایک ایرانی مجوسی کے ہاتھوں شہادت پانے والے خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے مرتبہ و مقام سے ہٹ کر سرسری سے ذکر پر اعتراض اٹھاتے ہوئے سوال اٹھایا ہے کہ کیا ۹۰ منٹ کے اس پروگرام میں حضرت عمرؓ کے حصہ میں ایک منٹ ہی آتا تھا۔

...وع اسلام

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے مثال تعلیم و تربیت سے قدوسیوں کی جو جماعت تیار فرمائی ان ...ت عمرؓ کی شخصیت نابغۂ روزگار بن کر سامنے آتی ہے۔ بقول خواجہ حسن بصریؒ۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری مجلس پاکیزہ ہو جائے تو عمرؓ کا ذکر کیا کرو۔"

...کے یومِ شہادت کے حوالہ سے بہت ساری باتیں کہی جا سکتی تھیں لیکن اکابرینِ ٹیلی ویژن کی اپنی ترجیحات ہیں جن ...ے فارق عزیز کا دُور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔ نیلام گھر میں حضرت عمرؓ کی شہادت کو مناسب کوریج نہ دینے پر وابستگانِ ...ئِ اسلام بھی احتجاج کرتے ہیں۔

از ضیاء اللہ

مذہب پرستی

دین اور مذہب کے درمیان امتیاز کرنا ہو تو یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ دین اگر چراغِ مصطفویؐ ہے تو مذہب وہ شرارِ بولہبی ہے جس کی ستیزہ کاریوں کے طفیل ہر دورِ انحطاط میں دین، مذہب میں تبدیل ہوتا رہا ہے۔ دین اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ضابطۂ قوانین و اقدار ہے، اس کے برعکس مذہب انسان کا تراشیدہ چیستان ہے۔ خواہ انسان اپنے توہمات و تعصبات کو مذہب کا رنگ دے لے یا روایات و خرافات کے زیرِ اثر دین کا حلیہ بگاڑ کر اسے مذہب کے گورکھ دھندے میں تبدیل کر دے۔ مذہب قطعی طور پر انسان کی اپنی اختراع ہے جس کا ماورائی رشد و ہدایت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر مذہبی عناصر بزعمِ خویش اس بات کا دعویٰ بھی کریں کہ اس میں الوہیاتی عناصر کا عمل دخل ہے تو یہ محض خود فریبی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

مذہب پرستی کیا ہے؟ جہالت اور توہم پرستانہ ذہنیت کے تحت تراشی گئی روایات پر ایمان، جسے ہمارے ہاں "ایمان بالغیب" قرار دے دیا جاتا ہے۔ کوئی مردِ حق شناس "تقلید کی بجائے تحقیق" اور "تعصب کی بجائے تفکر کا سبق دے، تو یہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں یا پھر "دین میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں" کہہ کر قصہ ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔

اسلام کے اوّلیں دور میں مذہبی پیشوائیت کا الگ سے کوئی وجود نہ تھا۔ یہ مسلمانوں کے اس دورِ انحطاط کی پیداوار ہے جب دین مذہب میں اور خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ بقول حضرت اقبالؒ ؎

ہوئی دین و دنیا میں جس دم جدائی ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

ایک صحرانشین کا وہ اعجاز جس نے بشیری کو آئینہ دارِ نذیری بنایا تھا، اسے محراب و منبر کے سامریوں اور ایوانِ حکومت کے مداریوں نے اپنے طلسم سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مسندِ اقتدار پر دیوِ استبداد فائز ہو گیا اور منبر پہ درد کے بھکاری

شواؤں کے روپ میں جلوہ افروز ہو گئے۔ یہ صورتِ حال بدستور قائم ہے۔ شطرنج کی وہی بساط ہے اور وہی ہے بس زمانہ بدل گیا ہے۔

بدل کے بھیس ہر زمانے میں پھر آتے ہیں اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

نفسیاتِ مذہب (PSYCHOLOGY OF RELIGION) کے ماہرین اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جب انسان مادی دنیا کے مصائب و آلام اور ناقابلِ فہم مظاہر سے زچ ہو کر ہتھیار ڈال دیتا ہے تو مختلف سہاروں کی تلاش کرتا ہے۔ ان میں سب سے مؤثر سہارا مذہب کی بیساکھیاں ہیں جو اس کی کم ہمتی، بزدلی اور بے عملی کو "قسمت میں یہ لکھے" کا جواز فراہم کرتی ہیں۔ اسے عالمِ کردار سے بیگانہ کر کے گفتار کا غازی بنا دیتی ہیں۔ مذہب کوئی سا ہو "رام رام جپنا، پرایا مال اپنا" کے اصول پر کاربند ہوتا ہے۔ ورد و وظائف اور چلہ کشی پر نادیدہ قسم کا ثواب تقسیم کرنا مذہب کا وطیرہ ہوتا ہے۔ مذہبی رسومات کو افضل ترین اعمال کا درجہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ سنی سنائی باتوں پر اندھی عقیدت کے تحت آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا جاتا ہے۔ اور ان سب مذہبی لوازمات کا ماخذ کیا ہے؟ اس کا جواب ہے ماحول سے، جو کچھ والدین سے، اساتذہ سے، اہلِ خانہ سے، دوستوں سے سیکھتا ہے وہ اس کا مذہب قرار پاتا ہے، ہوش سنبھالتے ہی اس کا واسطہ مسجد کے مولوی صاحب سے پڑتا ہے۔ جن کے متعلق اس کے ذہن میں بٹھا دیا گیا ہے کہ یہ حضرت کوئی "قدوس مآب" قسم کی چیز ہیں۔ ان کا احترام سب پر لازم ہے اور یہ ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں۔ چنانچہ اس کے ذہن میں مذہبی پیشوائیت اپنا مقام بنا لیتی ہے اور جو کچھ اسے ان حضرات سے ملتا ہے وہی اس کا مذہب بن جاتا ہے اور ساری زندگی وہ اسی مذہب کی پرستش میں بسر کر دیتا ہے۔ قدسیانِ عرش اس کی اس حرماں نصیبی پر یوں شکوہ سنج ہوتے ہیں۔

نہ خود بیں، نہ خدا بیں، نہ جہاں بیں پہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا؟

سوال یہ ہے کہ اس صورتِ حال سے نکلنے کا علاج کیا ہے۔ علاج اس کا بقول علامہ اقبالؒ۔ وہی آبِ نشاط انگیز ہے پھر سے قرآن کی طرف پلٹنا اور قرآنِ مجید کی تعلیمات کو اس طرح عام کر دینا ہے کہ ہر شخص قرآن سے رہنمائی حاصل کر سکے اور کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک قرآن کو فربہ قریہ، گلی گلی اور گھر گھر نہ پہنچا دیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ "QURAN IN THE HANDS OF COMMON PEOPLE" کا تصور عام کیا جائے۔

☆... تحریر: عامر

صبح قیامت

نوجوان کسی قوم کی وہ سپاہ ہیں' جو اپنی توانائیوں سے خارا شگاف راستوں کو کاٹ کر' اسے منزل کی راحتوں آسودگیوں سے ہمکنار کرتے ہیں۔ ان کی جوانیاں ایک چلتا پھرتا انقلاب ہوتی ہیں جو بیابان و کہسار کو پھاندتی ہوئی لحظہ رواں دواں رہتی ہیں۔ اگر نوجوانوں کی صلاحیتوں سے صحیح کام لیا جائے تو نہ صرف قوم کی اپنی تقدیر بدل جا ہے بلکہ زمانہ بھر کی تقدیریں اس کے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ اگر انہیں سرکش و بیباک چھوڑ دیا جائے تو نہ صرف وہ خ زیرو زبر ہو جاتے ہیں بلکہ قومی زندگی بھی اپنی حیثیت کھو دیتی ہے۔ تاریخ انسانی اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی کس قوم نے اپنے نوجوانوں کی صحیح تربیت کی قوم نے عظمت و رفعت کا مقام حاصل کیا اور جو قومیں اس مقصد سے بیگا رہیں۔ ان کی زندگی عسرت و مسکنت کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھی۔ جہاں تخریب' انتشار' افتراق اور زوال کی ہر طرف کارفرمائی تھی اور جہاں انفرادی اور قومی خودی اپنا وجود تلاش کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔

ہمارا نوجوان بھی آج انتشارِ فکر کا شکار ہو کر سوزِ جگر سے محروم ہو چکا ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی بجائے وہ زمین کی پستیوں میں اپنے وجود اور ذات کو کھو رہا ہے۔ وہ تسخیر ذات اور تسخیر کائنات کے راز سے ناآشنا ہے۔ وہ ڈارون' فرائیڈ' مارکس ایڈم سمتھ اور ریکارڈو کے تصورات میں تو مگن ہے لیکن زندگی کی مستقل اقدار سے محروم ہو چکا ہے۔

زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ زندگی کی شب تاریک کو سحر کر نہ سکا۔ انفرادی اور قومی سیرت کی تشکیل کے لئے اقدار اور نظریات سانچوں کا کام دیتے ہیں۔ یہ سانچے جتنے مضبوط ہوں گے۔ شخصی سیرت اپنے اندر اتنی ہی زیادہ فولادی صفات پیدا کرے گی اور سانچے جتنے کمزور اور ناتواں ہوں گے۔ انسانی سیرت اتنی ہی اپنے انقلابی بانکپن سے محروم ہو گی۔ یہ

قومی آئیڈیالوجی سے ماخوذ ہوئی ہیں۔ ہمارے ہاں تعلیم و تدریس کے اداروں میں ہماری آئیڈیالوجی کو (جسے قرآن حکیم نے "دین" کا نام دیا ہے) کوئی عمل دخل نہیں۔ بلکہ ہماری تعلیم' ہمارے اساتذہ کے نظریات سب کچھ اغیار سے مستعار ہیں۔ ایسے میں ہم یہ توقع کریں کہ ہم ایک نظریاتی قوم تشکیل دیں گے ہماری خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں اس تعلیمی سازش کا ادراک کر کے ہمیں اپنی تعمیر نو کا آغاز کرنا چاہئے۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم فقط اک سازش ہے دین و مروّت کے خلاف

اغیار کے تصورات و تخیلات کی غلامی اور تقلید کا نتیجہ یہ رہا ہے۔ کہ انسانی عزائم و اعمال کا معیار انفرادی اور قومی خود غرضی بن گیا ہے۔ اس تصورِ حیات کے مطابق مستحسن اعمال وہ ہیں جن سے افراد کو دولت و حشمت اور اقوام کو غلبہ و تسلّط حاصل ہو جائے خواہ اس کے لئے کیسے ہی حربے اختیار کرنا پڑیں۔ اس نظام تمدن و معاشرت کا فطری نتیجہ جنگل کا قانون ہے اور ہماری قوم اپنی مجموعی حیثیت میں اسی تمدنی اور معاشرتی انتشار کا شکار ہے۔

جواناں را بدر آموز است ایں عصر شیب ابلیس را روز است ایں عصر

مغرب کے تصورات کی برتری جب ہمارے ذہنوں پر مسلط ہو گئی تو ہمیں مغرب کی ہر چیز صحیفہ آسمانی نظر آنے لگی اور اپنی ہر قدر سے نفرت پیدا ہو گئی۔ ہم خوئے غلامی میں پختہ تر ہو کر اپنا نظریاتی تشخّص کھو بیٹھے اور ہمارے مکتب کا نوجوان جسے شعلہ جوالہ بننا تھا چنگاری کی طرح بجھ گیا۔ خداوندانِ مکتب میں وہ دم خم نہ آیا جو مستقل اقدار سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ "کبریت" سے "بجلی کے چراغ" روشن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ہمارے جسم مسلمان رہے۔ لیکن دل و دماغ زیروزبر ہو گئے "خزف ریزوں" سے "لعل و گہر" پیدا کرنے کا عمل رک گیا۔

تیرا وجود سراپا تجلی فرنگ کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

مسلمان امت پر آج کا وقت صبح قیامت سے کم نہیں۔ مسلمان' مسلمان نہ رہے۔ وہ عرب' ایرانی' پاکستانی' مصری اور سوڈانی میں تقسیم ہو گئے۔ ان کے مفادات امت واحدہ کے مفادات نہ رہے۔ علاقائی' لسانی اور نسلی ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بوسنیا' کشمیر' اراکان اور فلسطین مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو رہے ہیں۔ آتش و آہن کا کھیل جاری ہے۔ مسلمان امت کی نوجوان بیٹیوں کی عصمتیں تار تار ہو رہی ہیں مگر کوئی غزنوی' کوئی غوری اور کوئی ابن قاسم ان کی مدد کو نہیں پہنچتا۔ جوانوں کی وہ جرأت و حمیّت جو اغیار کے لئے صف شکن ہونی چاہئے تھی اپنوں کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ ہمارے نوجوانوں نے علاقائی' لسانی' نسلی اور فرقہ وارانہ حوالوں سے اپنی تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں جو ان کی محبتوں کا محور و مرکز ہیں۔ ان کے دماغوں کی وسعتیں جو کبھی لامحدود تھیں' زمان و مکان کی حدود سے بھی ماورا تھیں' آج علاقائی تنگناؤں میں محدود ہو کر انہیں ان کی نظریاتی اساس سے بیگانہ کر رہی ہیں۔

اور انہوں نے اپنے مفادات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

بے مقصدیت اور اخلاقی زوال نے جنسی اشتہا کی تسکین کو ان کی زندگی کا منتہائے مقصود بنا دیا ہے۔ وہ حقا کی دنیا سے آنکھیں ملانے کی بجائے تصورات کی دنیا کا راہی بن چکا ہے۔ جسے مریخ و مشتری کو زیر نگیں کرنا تھا کوئے جاناں کی حدود سے آگے نہیں نکل سکا۔ جسے ذرّوں کا دل چیر کر خورشید کا لہو تلاش کرنا تھا۔ وہ آج کلاشنکوف تھام کر انسانوں کے مقدس خون سے اپنا دامن تر کر رہا ہے۔ جسے نہ اساتذہ کا لحاظ ہے اور نہ والدین کا پاس۔ وہ اپنے مفادات کا بندہ اور جذبات کا غلام بن کر زندگی سے راہ فرار اختیار کر چکا ہے۔

جب ہمارے نوجوانوں میں زندگی کی حرارت باقی تھی' ان کا معبود صرف رب ذوالجلال تھا اور آزادی ان کی منزل تھی۔ تو انہوں نے اپنی تسخیر انگیز انقلابی صلاحیتوں سے قائداعظم کی ولولہ خیز قیادت میں دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا قیام ممکن بنا دیا تھا۔ اور ثابت کر دیا تھا کہ ۔

عقابی روح جب بیدار ہوئی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

مگر آج وہ مستی کردار سے اس قدر بیگانہ ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو دو لخت کر دیا گیا۔ لیکن ستم یہ کہ اتنے بڑے سانحہ کے بعد بھی اسے ہوش نہ آیا۔ وہ بقیہ پاکستان میں بھی خدا کے ابدی قانون کو رائج کروانے میں ناکام رہا۔ اس کے سامنے یہاں اسلامی سوشلزم' سیکولرزم' پختونستان' عظیم تر بلوچستان اور سندھو دیش کے نعرے لگائے جاتے رہے۔ مگر اس کے بے حس و بے جان جسم میں کوئی حرکت نظر نہ آئی۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ آسمان نے کتنی بجلیاں اپنی آستینوں میں چھپا رکھی ہیں۔ اسے شاید معلوم نہیں کہ لمحوں کی غلطیوں کے سائے کتنے طویل ہوا کرتے ہیں ۔

تاریخ کی گھڑیوں نے وہ دور بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی ہے

اور وہ نہ سنبھلا تو اس کی داستان' داستانِ ہستی سے ملا دی جائے گی اور پھر شاید اسے صدیوں کسی صحرائے سینا کی خاک چھاننی پڑے۔

رزق کے سرچشمے جب چند ہاتھوں میں سمٹ جائیں۔ غربت کے وسیع سمندر میں جب دولت کے چند جزیرے ابھر آئیں تو زندگی کی جوئے رواں خشک ہو جاتی ہے۔ نوجوانوں کے حساس دلوں میں نفرت اور بغاوت کے جراثیم جنم لیتے ہیں۔ زندگی اور موت کے درمیان کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اور یوں معاشرہ دہکتا ہوا جہنم بن جاتا ہے۔ قرآن نے ایسے معاشرے کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

"لا یموت فیھا و لا یحیی" "نہ وہ جی رہے ہوتے ہیں اور نہ مر رہے ہوتے ہیں۔" کرہ ارض پر ہونے والی اس سب سے بڑی ناانصافی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوانوں کی رگوں میں خون نہیں' بارود گردش کرتا ہے۔ ان کے سینوں میں دل نہیں ڈائینا مائیٹ دھڑکتا ہے اور ان کے دماغوں میں اس عدم مساوات کے خلاف ایٹمی جنگ شروع ہو جاتی ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہر شعبہ حیات کے لئے معیار' اہلیت و صلاحیت نہیں۔ دولت اور سیاسی اثر و رسوخ ہے۔ وہ مجسم احتجاج بن کر اپنی اور قوم کی زندگی کو دہشت و بربریت میں بدل دیتے ہیں۔ ان کا ہر قدم کسی طوفان سے کم نہیں ہوتا۔ ہماری سیاست جو شورش مرحوم کے الفاظ میں:۔

گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

خود نوجوانوں میں آگ اور خون کے کھیل کی آبیاری کرتی ہے۔ کبھی جمہوریت کے نام پر کبھی اسلام کے نام پر ان کے خیالات کو زیرو زبر کر دیا جاتا ہے اور "کشتہ سلطانی و ملائی و پیری" اپنی "آئینہ ضمیری" سے محروم ہو کر زندگی کی تاریک وادیوں میں بھٹک جاتا ہے۔ ہمارے سیاستدان نوجوانوں کو اپنے مذموم مقاصد کی خاطر استعمال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ معصوم شگوفے پھول بننے سے قبل ہی پتیوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔

انسانی تاریخ اپنے نازک ترین موڑ پر کھڑی ہے۔ اشتراکیت عالمی بساط سے مٹ رہی ہے۔ سنٹرل ایشیاء میں مسلمان ریاستیں آزاد ہو چکی ہیں۔ بحرالکاہل تک ایک نئی اسلامی دنیا کروٹیں لے رہی ہے۔ یورپ و ابلیسی نظام اسلام کے مستقبل سے خوفزدہ ہے۔ گویا:۔

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

مسلمان نوجوانوں کے اندر ایسی روح بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مستقبل کے فکری اور عملی انقلاب کے امین بن سکیں۔ پاکستان اور عالم اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو بتائے کہ دنیا کے نظام کہن کی جگہ جہان نو کی تعمیر آپ کی قوتِ بازو ہی سے ممکن ہے۔ اقبال کی روح نوجوانوں کو رک رک کر پکار رہی ہے:۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

عالم اسلام کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں۔ ہمارے ارباب بست و کشاد کا فرض ہے۔ کہ وہ ایک ایسا سماجی' سیاسی اور تمدنی نظام قائم کریں جس سے پیدا ہونے والے انسان کی صلاحیتیں فطرت کے تقاضوں کے مطابق پروان چڑھیں۔ جہاں کوئی خوف و حزن نہ ہو' جہاں' ظلم' جبر' محرومی اور عدم مساوات کا دور دورہ نہ ہو نظام میں یقیناً وہ

نوجوان سامنے آئیں گے جو صحیح معنوں میں ملت کا شباب ہوں گے۔ جن کے پیکر خاکی میں صداقتوں کی خاطر جان دینے کی تڑپ انگڑائیاں لے رہی ہو گی۔ جن کا اسلوب حیات ایک نئے جہان کی تشکیل پر منتج ہو گا۔ اور پھر وہ اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ مثبت راستوں پر گامزن ہو جائیں گے برعکس اس کے جب ہر طرف نفسا نفسی ہو اور تمام تر حالات' توقعات کے خلاف پیدا ہو رہے ہوں۔ تو جوانوں کے افکار کا زیروزبر ہونا ایک فطری عمل ہے اس کی بجائے ماحول بہتر اور فضا خوشگوار بنا کر ان افکار کو جلا بخشی جا سکتی ہے لیکن پیش رفت یکطرفہ ہو تو منصوبے ناکام ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ نوجوانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی سوچوں کو پاکیزہ اور مثبت بنائیں حکیم الامت کا یہ پیغام انہی کے لئے ہے کہ :۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوتّ پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے
خاکِ مشرق پہ چمک جائے مثالِ آفتاب
تا بدخشاں پھر وہی لعل و گہر پیدا کرے

(یہ مضمون طلوع اسلام کنونشن 1993ء میں پڑھا گیا)

بڑا مزہ اسی ملاپ میں ہے

کامیاب ازدواجی زندگی' پُرامن بقائے باہمی کی بڑی اچھی مثال پیش کرتی ہے ایک محبت کرنے والا جوڑا اپنی خود پرستی اور انا کو بالائے طاق رکھ کر بعض اوقات ازدواجی رفیق کی خوشنودی کے لئے اپنی خوشیوں کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اسی لئے معمولی اختلافِ رائے اور شخصی رجحانات میں بُعد کے باوجود ہم لوگ ہنسی خوشی زندگی بسر کر لیتے ہیں بلکہ باہمی پیار لڑائی جھگڑوں کو بھی اظہارِ الفت کا ایک انداز بنا دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ 'بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر'

(پروفیسر سلیم اختر)

محمد اسلم رانا. ڈنمارک

کیلنڈر قمری یا شمسی

کچھ لوگ منتظر رہے قسمت کے کھیل کے
"یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا"

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح اپنی عزیز ترین متاع حضرت اسماعیلؑ کو فاران کی بے برگ وگیاہ وادی میں "زمین پر خدا کے گھر" کی تولیت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام یہاں آکر بسے تو یہ خطۂ ارض قریب قریب ویرانہ تھا۔ آپ کے حسنِ نیت اور پیش کردہ تعلیم کی جاذبیت سے یہی ویرانہ دنیا بھر کی شاداب ہوں اور آبادیوں کا مرکز بن گیا۔ حتّٰی کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں بنو اسمٰعیل حجاز سے شام تک پھیل چکے تھے۔ ان کے مختلف قبائل، بالخصوص بنو قیدار، جو قریش کے مورثِ اعلیٰ تھے، کی عظمت وثروت کی داستانیں عہدِ عتیق کی کتبِ مقدسہ اور تاریخ وسیر کے صفحات پر نمایاں طور پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ان کی اولاد کچھ عرصہ تک ملّتِ ابراہیمی پر قائم رہی۔ مگر پھر رشد وہدایت کے بے دود صاف آبگینہ میں ذہنِ انسانی کی آمیزش شروع ہوگئی اور کچھ عرصہ بعد "اس قدر مکدّر ہوگیا کہ اس کی اصلیت کا نشان تک بھی باقی نہ رہا۔" خانہ کعبہ، جسے خدائے واحد کی عبودیت کا مرکز قرار دیا گیا تھا، میں قریب ۳۶۵ بت نصب ہوگئے جن میں سے عدنانی قبیلے کا بت ہبل، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بت نمایاں تھے۔ قبیلہ قیس ستارہ شعریٰ کا پرستار تھا اور قبیلہ کنانہ چاند پرست۔ کعبہ کی تولیت کی بنا پر قریش سارے حجاز میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے تجارتی قافلوں کو دوسروں سے منفرد رکھنے کے لئے اپنے جھنڈے پر چاند کا نشان رکھا ہوا تھا۔

صحراؤں میں پانی کی نایابی، جھلسا دینے والی شمسی تمازت اور ضربِ شمس کے خطرے کے علاوہ ہر آن تبدیلی واقع ہونے کے باعث سمتوں کا تعین کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ ان خصوصی حالات کی بنا پر بادیہ نشین عربوں کے قافلے راتوں کو محوِ سفر ہوتے تھے، سمتوں کا تعین وہ ستاروں کی گذرگاہوں سے کیا کرتے تھے اور دنوں مہینوں کا حساب چاند کی بڑھتی گھٹتی صورتوں سے رکھتے تھے۔ ناخواندہ ہونے کی بنا پر ان کے پاس تحریری دستاویزات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مہینوں کے نام موسموں کے اعتبار سے رکھے ہوئے تھے۔ مثلاً سردی کی شدت جب زردی میں تبدیل ہوتی

ہوتی تو اس کو صفر، فصلِ بہار کو ربیع، جب فضاؤں میں خوشبو رچتی تو اس کو شعبان، شدت کی گرمی کو رمضان ..... سے منسوب کیا ہوا تھا۔ اسی جہت سے ہمارے ہاں ربیع کی فصل اور خریف کی فصل مخصوص موسموں سے مختص ہے جو عین قانونِ فطرت کے مطابق ہے۔ قرآن میں ہے کہ :۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ..... (۳۵/۴۳)

قرآنِ کریم کا یہ اعلان ایک ایسی عظیم حقیقت کا اظہار ہے جس پر تمام سائنٹیفک تحقیقات کی عمارت استوار ہوتی ہے اور جو قانونِ مکافات کی روح ہے۔ دنیا میں جس قدر بھی سائنٹیفک ایجادات ہوتی ہیں اور ہوتی چلی جا رہی ہیں یہ سبھی اسی محکم قانونِ قدرت کی رہینِ منت ہیں کہ قوانینِ خداوندی (سنّت اللہ) میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ قانون اس قدر محکم ہے کہ انسان اس پر کامل اعتماد کر سکتا ہے اور یہی وہ اعتماد ہے جس کے سہارے وہ آسمانی کرّوں تک جست لگانے سے بھی نہیں جھجکتا۔

قرآنِ کریم کی رُو سے شمس و قمر دونوں سے حساب رکھا جا سکتا ہے ـــــ عربوں جیسی بادیہ نشین قوم کے لئے قمری تقویم ہی موزوں تھی لیکن زرعی نظام کے لئے قمری تقویم میں ایک دقت پیش آتی ہے کہ زراعت کا تمام نظام موسموں کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے اور موسموں کا تغیّر و تبدّل سورج کی منازل پر موقوف ہے نہ کہ چاند کی منازل پر ـــــ

کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟

قمری تقویم کی رُو سے ربیع کا مہینہ کبھی موسمِ سرما میں آ رہا ہے تو کبھی موسمِ گرما میں، کبھی خزاں میں کبھی بہار میں۔ لیکن گندم کی کٹائی کے لئے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ سردی میں ہو اور کبھی گرمی میں ـــــ زرعی نظام سورج ہی سے وابستہ رہ سکتا ہے جس کے گرد زمین تقریباً ۳۶۵ دنوں میں ایک چکر پورا کرتی ہے (جسے سال کہا جاتا ہے) زمین کے اس چکر کو پورا کرنے میں جو تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے اسے ہر چار سال بعد فروری کے مہینے میں ایک دن کا اضافہ کر کے پورا کر لیا جاتا ہے اور اس کو LEAP YEAR کہہ دیا گیا۔ اس طرح ہر مہینہ ہمیشہ اسی موسم میں آتا رہتا ہے۔

قمری سال شمسی سال سے تقریباً دس دن کم ہوتا ہے جس کے معنے ہر تین سال کے بعد ایک مہینے کا فرق اور ہر چھتیس سال کے بعد ایک سال کا فرق ہے۔ زرعی مشیعت میں اگر قمری سال رائج ہو تو ہر سال ایک ماہ کا اضافہ کرنا پڑے تاکہ قمری مہینے موسموں کے مطابق ہو جائیں ـــــ یہودی ایسا ہی کرتے تھے۔ عرب جاہلیہ میں بھی ایسا ہی تھا اور ہندوؤں کے ہاں ابھی تک یہی سسٹم جاری ہے کہ ہر تین سال کے بعد قمری سال بارہ کی بجائے تیرہ ماہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ اسے نوند کا سال کہا جاتا ہے۔

عربوں کے ہاں زراعت کے علاوہ مہینوں کا تعیّن ایک اور جہت سے اہم بلکہ اہم ترین تھا۔ وہ یہ کہ ان کے لئے

سال میں چار مہینے حرام (واجب الاحترام) تھے جن میں ہر قسم کی لوٹ مار اور جنگ و جدل ممنوع تھی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ واجب الاحترام مہینے متعین ہونے چاہیئے تھے تاکہ سب کو معلوم ہو۔ لیکن ہر سال ۱۰ دن کی کمی کے موجب ہر تیسرے سال ایک ماہ جب اضافہ ہوتا جس کا کوئی نام نہ ہوتا تو مذہبی پیشواؤں کے لئے ان کے مفادات کا بڑا عمدہ موقع ہاتھ آجاتا ـــــ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ان تیرہ مہینوں میں سے کون کون سے چار مہینے حرام سمجھے جائیں۔ یہ انتظام بنوکنانہ کی ایک جماعت، جنہیں نساۃ کہتے تھے، کے سپرد تھا۔ چونکہ ان مہینوں میں تغیر و تبدل کا اثر بڑے بڑے سرداروں اور تاجروں پر پڑتا تھا اس لئے ان کے مفاد کی خاطر نساۃ کرتے یہ تھے کہ کسی سال کسی مہینوں کو حرام قرار دے دیتے اور کسی سال کسی اور مہینوں کو۔ اس طرح قبائل میں گڑبڑ مچ جاتی ـــــ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ لوگ کرتے یہ کہ: یعنی یہ لوگ ایک ہی مہینے کو ایک سال جنگ کے لئے جائز قرار دے دیتے اور دوسرے سال اسے ناجائز ٹھہرا دیتے، اس طرح ان چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر دیتے جن میں جنگ و جدل کو حرام قرار دیا گیا تھا لیکن مہینوں کو اِدھر اُدھر کر دیتے۔ یعنی عملاً خدا کے حرام کئے ہوئے کو حلال ٹھہرا دیتے اور سمجھتے یہ کہ وہ کسی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے۔

جب اسلامی نظام قائم ہوا تو اس نے مذہبی پیشواؤں کی دیگر چالبازیوں اور دسیسہ کاریوں کے ساتھ اس تغیر و تبدل کو بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ:

"یاد رکھو! مہینوں میں اس طرح تقدم و تاخر کر دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ تو ان معاہدات کا عملی انکار ہے جو تم نے باہمی کر رکھے ہیں۔ اس سے قانون شکن لوگ بڑی غلط راہوں پر چل نکلتے ہیں۔" (۹/۳۷)

لہٰذا اعلان یہ کیا جاتا ہے کہ:۔

"نظامِ خداوندی کی رو سے سال کے بارہ مہینے ہوں گے۔ تیرہ کبھی نہیں ہوں گے۔ یہ گنتی خدا کے اس قانونِ فطرت کے مطابق ہے جو اس نے تخلیقِ ارض و سما کے وقت مقرر کیا تھا۔ ان میں چار مہینے حرام (واجب الاحترام) ہیں۔ یاد رکھو! اب سے یہی محکم قانون رائج رہیگا۔" (۹/۳۶)

یہ اعلان حج کے عظیم اجتماع میں نظامِ خداوندی کے نمائندہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے کیا گیا۔ اس اعلان نے نظامِ کہن کی بساط الٹ کر رکھ دی۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ قانونِ فطرت کے مطابق سال کے بارہ مہینے ہی ہونے چاہئیں اور قانونِ فطری یہ ہے کہ زمین، سورج کے گرد ایک سال (۳۶۵) دن میں چکر پورا کرتی ہے۔ اس مدت کو بارہ (۱۲) پر تقسیم کر دینے سے کیلنڈر فطرت کے مطابق ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد شمسی کیلنڈر کی رو سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ قرآن کریم نے شمسی کیلنڈر ہی تجویز کیا ہے جس سے زراعت کے پروگرام کے لئے موسموں اور حرمات کے مہینوں کا تعین ٹھیک ٹھیک ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مملکت جب وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی تو امورِ مملکت کی سرانجام دہی کے لئے متفرق تدابیر میں فاروقِ اعظمؓ کے سب سے نمایاں کارنامے مرکزی شہری رجسٹر اور سنِ ہجری کا تعین و ترویج ہیں۔ ہوا یوں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک نہایت اہم دستاویز آئی جس پر صرف "شعبان" لکھا ہوا تھا اور سن کوئی نہیں تھا۔ سن کی اس عدم موجودگی کے باعث فاروقِ اعظمؓ نے سن کے تعین کی تجویز پیش کی جس پر باہمی مشاورت سے متفقہ فیصلہ یہ ہوا سن کا آغاز نبیٔ اکرمؐ کی ہجرت سے کرنا چاہیئے کیونکہ "وہ دین کی تاریخ میں عظیم انقلابی واقعہ ہے"۔ حضورؐ نے ربیع الاوّل میں ہجرت فرمائی تھی، لیکن چونکہ عرب نیا سال محرم سے شروع کرتے تھے اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ تاریخِ ہجرت کو دو ماہ پیچھے ہٹا کر سن ہجری کا آغاز اسی سال کے محرم سے کیا جائے۔

متفرق تدابیر میں دستاویزات کا محفوظ رکھنا، خط و کتابت کا ریکارڈ رکھنا اور اعداد و شمار کے رجسٹر قائم کرنے وغیرہ شامل تھے۔ کیا یہ حیرت کا موجب نہیں کہ اس دور کا ایک پرزہ کاغذ بھی کہیں موجود نہیں۔ مدینہ منورہ اس چودہ سو سال کے عرصہ میں ہر بلائے ارضی و سماوی سے محفوظ رہا۔ اس تمام عرصہ میں یہ بلدِ طیب مسلمانوں کی تولیت میں ہی رہا اور اس کا تقدس و احترام ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں ـــــ اس کے بعد، کیا یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس تمام ریکارڈ کو بالآخر ہوا کیا ـــــ وہ کہاں گیا ـــــ ؟ اسے کون لے گیا ـــــ ؟ ـــــ کس نے اس کو تلف کر دیا ـــــ ؟ (بے شک قرآن حکیم، روزِ اوّل سے محفوظ چلا آرہا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے رکھا ہے۔) مؤرخین نے اپنی کتابوں میں جو اس زمانے کی بعض دستاویزات کو نقل کیا ہے تو انہوں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے، انہیں کہاں دیکھا تھا ـــــ ہماری تاریخ میں اس اصل (ORIGINAL) ریکارڈ کا کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔ نہ ہی ان کی نقول کے متعلق کسی نے وضاحت کی کہ ان کے مصدقہ ہونے کی سند کیا ہے ـــــ ہر روایت زبانی ہے اور درج ہے ان کتب میں جو عہدِ رسالت مآبؐ اور خلافت راشدہ کے دو تین سو سال بعد مدوّن ہوئیں۔ یہ جو مکتوباتِ گرامی کے عکس شائع ہوتے رہتے ہیں اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضورؐ نے وہ کسریٰ و قیصر یا مقوقش کو بھیجے تھے۔ ان مکتوبات کا احترام اپنی جگہ پر، لیکن ان کے متعلق بھی کسی نے وثوق سے نہیں بتایا کہ ان کی اصل (ORIGINAL) کہاں ہے اور ان کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ جہاں تک جعلی دستاویزات وضع ہونے کا تعلق ہے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے۔

امام ابن فرحون کی کتاب "الدیباج المذہب" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

> "یہودیوں نے ایک بار مسلمانوں کے رئیس کے سامنے رسولؐ اللہ کی طرف سے ایک عہدنامہ پیش کیا، جس میں تحریر تھا کہ خیبر کے یہودیوں سے جزیہ نہ لیا جائے۔ اس کی بنیاد پر ان کا مطالبہ تھا کہ ان پر سے جزیہ ساقط کیا جائے۔ لوگ اس معاہدے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ اس زمانے میں امام ابوبکر خطیب بغدادی موجود تھے۔ ان کے سامنے اس معاہدے کو پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا

کہ یہ جعلی ہے۔ اس لئے کہ اس پر تاریخ ۷ھ درج ہے اور اس پر گواہوں میں امیر معاویہ کا نام ہے جو ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور واقعہ خیبر میں شریک نہیں تھے۔ علاوہ ازیں اس پر سعد بن معاذ رئیس انصار کے بھی دستخط ہیں جو فتح خیبر سے پہلے بنی قریظہ میں وفات پا چکے تھے۔"

لہٰذا عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے اس قسم کے جعلی دستاویزات وضع کرنا کچھ بعید نہیں۔ علامہ اسلم جیراجپوری نے نوادرات میں لکھا ہے کہ جو قوم اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کر سکتی ہے اس کے لئے اس قسم کے پروانے بنانے کچھ بھی مشکل نہیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ طبیعی اور تجربی سائنس، ریاضی، الجبرا اور حساب کے علاوہ تشخیص امراض اور جراحی وغیرہ کے تمام علوم کے موجد مسلمان ہی ہیں لیکن ان علوم کی ابتدار کے بعد کیا ہوا ـــــ اس کی مثال کچھ یوں ذہن میں آتی ہے: ماس خور چوہا نوچنے سے پہلے اس حصہ پر پھونک مار کر بے حس کرتے ہوئے نوچتے چلا جاتا ہے اور نوچے جانے والے کو احساس تک بھی نہیں ہو پاتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کچھ اس قسم کا عمل مسلمانوں کے ذہنوں پر بھی ہوا جس سے ان کی تمام صلاحیتیں سوخت ہو کر رہ گئیں ـــــ اور یہ الف لیلوی قصے کہانیوں میں ایسا گم ہو گیا کہ اپنے فرائض منصبی تک کو بھول بیٹھا اور

"یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا۔"

صرف محمل کو ہی نہیں جا لیا، ان کو ایسے صحیفے دیتا گیا کہ یہ حضور پر نور سرورِ کونینؐ کے نقشِ پا کی گرد تک کو نہ پا سکے اور یہ بھٹک رہا ہے ہزار برس سے۔ اس وقت اس کے پاس نہ تعلیم ہے اور نہ ہی حفاظت کا سامان، حتیٰ کہ یہ اپنے وسائل بھی استعمال کرنے کا متحمل نہیں رہا۔

ادھر شمسی کیلنڈر جس کسی نے بھی ایجاد کیا، وہ قانونِ فطرت سے بخوبی واقف تھا کہ زمین، سورج کے گرد ۳۶۵ دنوں میں چکر پورا کرتی ہے جس سے ہر مہینہ، ہر سال اپنے صحیح موسم میں آتا رہتا ہے۔ (۲۵ دسمبر ہمیشہ سردیوں کے موسم میں آتا ہے) اور اس کیلنڈر کو عیسوی کہا جاتا ہے جب کہ زمین کے گول ہونے اور آفتاب کے گرد چکر لگانے کی حقیقت کو عیسائیت نے ۱۲ویں صدی میں تسلیم کیا تھا۔

ادھر مسلمان ہیں کہ گھومنے والے قمری کیلنڈر کو اسلامی نام دے رکھا ہے جب کہ زراعت کا نظام، اوقاتِ نماز، سحری و افطاری اور روزمرہ کے دنیوی امور سب کے سب آفتاب کی منازل سے وابستہ ہیں لیکن عید، نویدِ ہلال سے، ہر طرف سے تہ دستی کے باعث خالقِ کائنات کے آگے ایسی جھولی پھیلائے کھڑے ہیں جس میں چھید ہی چھید ہیں ـــــ خالق کی طرف سے رحمت آتی ہے ـــــ مگر جھولی پھر بھی خالی کی خالی ہی رہتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خوب فرمایا ہے کہ

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو

حاشیہ: مفہوم القرآن، معراج انسانیت، شاہکار رسالت، مطالب الفرقان از علامہ پرویز ـــ بخاری شریف۔

طلوع اسلام لاہور

طلوع اسلام لاہور

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درسِ قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
۱۔ ایبٹ آباد	۵۹۵ کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	جمعۃ المبارک	۱۰ بجے صبح
۲۔ بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر مرضی پورہ گلی نمبر ۵۔ رابطہ فون: ۲۴۳۸	ہر ماہ پہلا تیسرا جمعہ	۹ بجے صبح
۳۔ پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ: ۲۷۰۷۳	ہر بدھ و جمعہ	۵ بجے شام
۴۔ پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	۴ بجے شام
۵۔ پیر محل	مکان نمبر ۱۳۹/۱۴۰۔ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	۹ بجے صبح
۶۔ پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	۳ بجے سہ پہر
۷۔ جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد جی۔ ٹی روڈ	جمعہ المبارک	۶ بجے شام
۸۔ جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	۱۰ بجے صبح
۹۔ چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر کھٹہ بازار	جمعۃ المبارک	۳ بجے بعد نمازِ جمعہ
۱۰۔ چک ۲۱۵ ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	//	۸ بجے صبح
۱۱۔ حیدر آباد	گولڈن سینٹری، عثمان آباد	//	۱۰ بجے صبح
۱۲۔ رجانہ	برمکان چوہدری ایس۔ ایم صادق، مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	۱۰ بجے صبح
۱۳۔ سرگودھا	۶۰۔ اے سول لائنز ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: ۷۲۰۰۸۳	جمعۃ المبارک	۹ بجے صبح
۱۴۔ سیالکوٹ	محمد افضل خلجی، ایبٹ روڈ۔ رابطہ فون: ۸۷۶۵۸	پہلا اور دوسرا جمعہ	۱۰ بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
۱۵۔ فیصل آباد	۲۳۔ سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک فون۔ ۴۲۸۵۵	ہر جمعہ	۴۔ بجے شام
۱۶۔ فیصل آباد	ڈاکٹر طارق عزیز فاؤنڈیشن 8/۸۳۵ سول کوارٹرز غلام محمد آباد۔ رابطہ فون: ۶۸۰۸۳۵/ ۳۳۰۷۰	//	۳۰۔۳ بجے شام
۱۷۔ کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ	جمعۃ المبارک	۴ بجے سہ پہر
۱۸۔ کراچی	سنو وائٹ کمرشل کمپلیکس (فرسٹ فلور) شاہراہ فیصل (نزد بلوچ کالونی سگنل) فون: ۵۷۲۲۵۱ - ۵۴۷۳۲۹	//	۳۰۔۹ بجے صبح
۱۹۔ کراچی	مکان ۱۶ گلشن مارکیٹ، C/۳۶ ایریا کورنگی ۵ رابطہ: محمد سرور، فون: ۳۱۲۶۳۱	//	۳۰۔۱۱ بجے صبح
۲۰۔ کراچی	مکان ۵۵۔ ۴ قصہ کالونی، نزد الفاروق پبلک سکول رابطہ: ڈاکٹر اسلم نوید	//	۳ بجے سہ پہر
۲۱۔ کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون: ۴۵۷۱۹۱۹	//	۱۰ بجے صبح
۲۲۔ کراچی	مکان ۱۲۰۶۔ گلی ۱۰ اے، بی ۳۶، شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ: لطیف، فون: ۳۱۰۳۱۶	اتوار	۸ بجے شب
۲۳۔ حیدرآباد	برمکان شیر محمد، نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	۸ بجے صبح
۲۴۔ گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	//	بعد از نمازِ جمعہ
۲۵۔ گجرات	مرزا ہسپتال، کچہری روڈ	جمعرات	۲۔ بجے
۲۶۔ لاہور	۲۵۔ بی گلبرگ ۲ (نزد دین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	۹ بجے
۲۷۔ لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	//	بعد نمازِ مغرب
۲۸۔ ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	//	۱۰ بجے صبح
۲۹۔ جوہر آباد	برمکان حکیم فاروق شاہ قاضی کالونی	//	بعد نمازِ جمعہ
۳۰۔ مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک ۵۰۹ گ ب	//	//
۳۱۔ ڈی۔ جی خان	مدینہ ٹائپنگ کالج، بلاک ۲۔ کچہری روڈ	//	۳۔ بجے سہ پہر
۳۲۔ راولپنڈی	برمکان ملک فضل کریم ۳۰ ملت کالونی کھاسنگھ سٹیٹ۔ رابطہ: چوہدری نثار احمد، ہائی وے آلو گوال منڈی فون ۴۷۵۲	//	۳۰۔۳ بجے شام

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Ghulam Ahmed Parwez (r)

NO RESERVATION REQUIRED

ALL THOSE INTERESTED IN THE TEACHINGS OF QURAN ARE CORDIALLY INVITED.

1. BIRMINGHAM 229 Alum Rock Road	Sunday 3 PM
2. CANADA 716 The West Mall, Etobicock, ONT Phone (416)245-5322 or(416)620-4471	1st Sunday 11 AM
3. DENMARK R.O.Aegte Taepper, Falkoner Aue 79 2000 Fredriksberg C.	Last Sat **2 PM**
4. KUWAIT Residence Ubaid-Ur-Rahman Arain Phone 5316273	Friday 5PM
5. LONDON 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sunday 2.30 PM
6. NORWAY Akeberg Veien-56 -Oslo-6 Galgeberg 4th floor	1st Sunday 4PM
7. YARDLEY 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM.
8. ESSEX 50 Arlington Road Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW Phone 0702-618819	2nd Sun 3 PM
9. YORKSHIRE Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M.Afzal 0532-306140 Contact Rashid Butt 0274-664620	1st Sun 3 PM

TOLU-E-ISLAM MAGAZINE AND PUBLICATIONS OF ALLAMA GHULAM AHMED PARWEZ(r) ARE ALSO AVAILABLE AT THE ABOVE PLACES

بچوں کا صفحہ

اسلامی معاشرت
علامہ غلام احمد پرویز

حُسنِ سُلوک

(۲)

احسان کے معنی

قرآنِ کریم کا حکم ہے کہ دوسروں کے ساتھ احسان کرو۔ احسان کے معنی ہیں حسن پیدا کرنا۔ حُسن نام ہے توازن اور تناسب کا۔ یعنی جس جگہ جتنی چیز ہونی چاہیئے وہاں اتنی چیز ضرور ہو۔ جس چیز کے مختلف حصّوں میں صحیح صحیح تناسب ہوگا وہ حسین اور خوبصورت دکھائی دے گی۔ تناسب کے نہ ہونے سے بھونڈاپن اور بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی اپنی ذات میں بھی ٹھیک ٹھیک اعتدال اور تناسب ہو اور دوسروں کے ساتھ معاملات میں بھی حسن و خوبصورتی سے پیش آئے۔

نیک سلوک

اگر کسی شخص میں، کسی وجہ سے کوئی کمی آجاتی ہے تو اس سے اس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ اس کمی کو پورا کر دینے کا نام احسان ہے۔ یعنی اس کے بگڑے ہوئے توازن کو قائم کر دینا۔ مثلاً ایک شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کے باعث کمزور ہو گیا ہے اور وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں رہا، تو اس کی اس کمی کو پورا کر دینا اس کے ساتھ احسان ہوگا۔ قرآنِ کریم کی رُو سے مسلمان وہ ہے جو

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى

.....وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (۴/۳۶)

"(جو) احسان کرتا ہے والدین کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، ان کے ساتھ جو کام کاج کرنے کے قابل نہ رہیں، ہمسائے کے ساتھ۔ خواہ وہ رشتہ دار ہو یا غیر ہو۔ دوست اور رفیق کے ساتھ، مسافروں کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ۔ غرضیکہ مسلمان وہ ہے جو ہر اس شخص کے ساتھ احسان کرتا ہے جس کا اس سے واسطہ پڑتا ہے۔"

احسان کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ کا سامنے رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں عام طور ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ضرورتمند کی کسی وقت امداد کرتا ہے تو اس کے بعد ساری عمر اسے اپنا احسان جتا جتا کر اسے قلبی اذیت پہنچاتا رہتا ہے اور اس سے توقع رکھتا ہے کہ وہ ہر بات میں، اس کی مرضی کے مطابق چلے۔ اگر وہ کسی وقت ایسا نہیں کرتا تو اسے احسان فراموش اور محسن کُش کے طعنوں سے ذلیل کیا جاتا ہے۔ یہ انداز قرآنِ کریم کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ تم دوسرے کی امداد کرکے اس پر احسان نہیں کرتے، اپنا ایک فریضہ ادا کرتے ہو۔ اس لئے اس بات کا تمہارے دل میں خیال تک بھی نہیں آنا چاہیئے کہ وہ شخص تمہارا زیرِ بارِ احسان ہے۔ وہ مومنوں کا انداز یہ بتاتا ہے کہ وہ اگر کسی کی مدد کرتے ہیں تو اس سے واضح طور پر کہہ دیتے ہیں کہ

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ (۷۶/۹)

"ہم تم سے اس کا بدلہ مانگنا تو ایک

طرف، شکریہ تک کے بھی متمنی نہیں"
یہ ہے وہ جذبہ جس کے ماتحت جماعتِ مومنین ضرورت مندوں کی امداد
کرتی ہے۔

کتابِ زندگی

کتابِ زندگی کے ورق مسلسل الٹ رہے ہیں۔ ہر آنے والی صبح ایک نیا ورق سامنے لاتی ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا جب ہم اپنی زندگی کا آخری ورق الٹ رہے ہوں گے پھر یہ کتاب محفوظ کر دی جائے گی۔ اس کتاب میں ہم وہ سب لکھ رہے ہیں، جو ہم سوچتے ہیں، دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، چاہتے ہیں، کرتے ہیں اور کراتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف تنہا ہم ہیں اور ہم ہی اسے ترتیب دے رہے ہیں۔ کیا ہم نے غور کیا کہ ہم اس میں کیا لکھ رہے ہیں؟ کل یہی کتاب جب ہمارے ہاتھ میں ہوگی تو اپنے ہاتھوں لکھی ہوئی یہ کتاب پڑھ کر ہمارا کیا حشر ہوگا؟

سوچئے! اپنے لئے

عاطف طفیل

صوبیدار یوسف علی اب ہم میں نہیں رہے

کنونشن طلوعِ اسلام کے تمام مواقع پر ساٹھ کی دہائی سے لے کر ۱۹۹۳ء کی کنونشن تک ادارے کے صحن میں چوہدری فضل داد صاحب اور صوبیدار چوہدری محمد یوسف صاحب اپنے پنجابی اور روایتی لباس میں ہمیشہ نظر آئے مگر اس فرق کے ساتھ کہ اوّل الذکر کے سر پر ڈھیلی ڈھالی پگڑی اور مؤخر الذکر ننگے سر اور ہاتھ میں کھونڈی (STICK)۔ صوبیدار صاحب ماہانہ دو مرتبہ باباجی علیہ الرحمہ کے درس میں شرکت کے لئے لائل پور (فیصل آباد) کے ایک دُور افتادہ گاؤں سے لاہور پہنچتے تھے۔

کئی دوستوں نے بیک وقت اطلاع دی کہ محترم چوہدری محمد یوسف ۱۵ جولائی ۹۳ء کو اپنے گاؤں چک نمبر ۱۹۹ گ ب ضلع فیصل آباد میں انتقال کر گئے ہیں۔ کیا عاشقِ قرآن تھے مرحوم اور کیسی وابستگی تھی ان کو باباجیؒ کے ساتھ۔ مرحوم کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جاٹ خاندان کے ایک ذمہ دار چوہدری تھے۔ لمبا قد، خوش لباس اور متوازن شخصیت کے مالک تھے۔ رجانہ کے قریب چھ میل کے فاصلے پر ان کا گاؤں واقع ہے۔ ماموں کانجن اور رجانہ اور کمالیہ میں بزموں کی تشکیل کے لئے سرگرم رہے۔ اپنے بھائی کی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور اپنے گاؤں کی مسجد میں درسِ قرآن سنوایا۔ نہایت متحمل اور مستقل مزاج جاٹ برادری میں بیٹھ کر قرآنی دلائل سے نظامِ ربوبیت پیش کرنا ان کا جنون تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ مبین کے اس عاشق کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

اپنے سے پست پر نظر ڈالو۔ اپنے سے اونچے کو نہ دیکھو۔ اس طرح تم اللہ کی نعمتوں کی زیادہ قدر کر سکو گے۔

(حدیثِ نبویؐ)

نہیں جب مرکزِ ملّت تو ملّت ہے کہاں باقی

بہاریں آ نہیں سکتیں نگہت زارِ محبت میں
کہ رُوحِ گُل کی جب تک چاک دامانی نہیں ہوتی

نہیں کُھلتے کبھی اسرارِ ہستی چشمِ بینا پر
نگاہِ دل کی جب تک جلوہ سامانی نہیں ہوتی

محبت جب کبھی بیدار ہو جاتی ہے انساں میں
تو مر جاتی ہے لیکن یہ کبھی فانی نہیں ہوتی

فقیہانِ حرم کے جسم و جاں بیدار ہوتے ہیں
مگر بیدار اُن میں روحِ قرآنی نہیں ہوتی

لٹائے جاتے ہیں ہر سال جو دربارِ یثرب میں
گہر ہائے محبت کی یہ ارزانی نہیں ہوتی

نہیں جب مرکزِ ملّت تو ملّت ہے کہاں باقی
دلِ بے رُوح سے تن کی نگہبانی نہیں ہوتی

جو اُمّت ہو رسولِ پاکؐ کی اور ملّتِ واحد
وہ فرقوں میں بٹی خود غرض و دیوانی نہیں ہوتی

نہ اتنا طول دے ناصح حکایت مختصر کر دے
عمل کی بات کوئی اتنی طولانی نہیں ہوتی

(اے. آر. زمق)

مولانا حکیم عبدالرحمٰن خلیق بدوملہی

ہماری سیاسی منڈی

ہر شے کی یہاں کثرت ہے بڑی — اچھی یا بُری کھوٹی یا کھری
سینوں میں چھپی ڈھیروں میں پڑی — ہر چیز یہاں بِک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

ایمان کی بولی ہوتی ہے! — انسان کی بولی ہوتی ہے
پھر چند ہی کوڑیوں کے بدلے — یہ جنسِ گراں بک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

ہوتے ہیں ضمیروں کے سودے — میروں کے وزیروں کے سودے
عہدوں کے مشیروں کے سودے — سب چون و چناں بک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

لیڈر کی سیاست بکتی ہے — قائد کی ذہانت بکتی ہے
صوفی کا تصوّف بکتا ہے — مُلّا کی اذاں بِک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

تحریر کے سودے ہوتے ہیں — تقریر کے سودے ہوتے ہیں
شاعر کا قلم بک جاتا ہے — واعظ کی زباں بک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

جانے پہچانے بکتے ہیں! — "دانے پر دھانے" بکتے ہیں
کچھ گھاگ سیانے بکتے ہیں — اور فکرِ جواں بک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

میدان کی کڑکیں بکتی ہیں! — اسٹیج کی بڑھکیں بکتی ہیں
تکبیر کے نعرے بکتے ہیں — اور طرزِ فغاں بِک جاتی ہے
کیا بات ہے اپنی منڈی کی

ایسی کوئی منڈی اور نہیں — دنیا میں کہیں دنیا میں کہیں
کیا بات ہے اپنی منڈی کی — ہر چیز ہی بک جاتی ہے یہاں

(بشکریہ ہفت روزہ الاعتصام)

APPEAL TO THE PAKISTANI VOTERS

In the coming Elections, being held in the first week of October, 1993, the voters are requested, in their own interest, to VOTE only for those candidates who believe in the KHILAFAT-ALA-MINHAJ-E-NABUWWAT as the basis of an Islamic Social Order in Pakistan.

The vote should not be wasted for those who believe in the Sovereignty of the People, instead of Sovereignty of ALLAH, in the state affairs.

Political parties who use the name of Islam as a slogan, in order to achieve votes and yet believe in the sovereignty of the people, are hypocrites. They betray the ignorant masses in the name of Islam and must, therefore, be condemned.

IDARA TOLU-E-ISLAM

قرآن پڑھا کرو۔ اسی سے تمہاری قدر و منزلت ہوگی اور
اسی پر عمل کرو تاکہ تم حامل قرآن ہو جاؤ۔ (حضرت عمرؓ)

avowed object is to rid Bosnia-Herzigovina of every single non-Serb ---of the Muslims first; and no craft of persuasion or appeal to make them desist from trying to achieve their objective can possibly be effective. Counter force, prompt, unrelenting force, was and is required. But counter force has been meticulously avoided throughout. The arms embargo, working only against the Muslims, has virtually had them killed like sitting ducks, until now the position is that the sitting ducks, ---and every duckling-- face total massacre. All this thanks to the trio, USA, France and Britain, and their empty threats strategy!

Added to this has been the role of Dr. Boutros Boutros-Ghali, UN's Christian Secretary General who, throughout, has been a virtual ally of the Serbarians. He should have been declared a persona non grata and dismissed long ago from his post of which he has proved unworthy, stooping so low as even to wish such mercenaries as General Mackenzie good luck in their propaganda campaign against Bosnian Muslims.

But let us go beyond NATO powers and the UNO; go beyond to our own selves. We do not seem to appreciate that what is going on today in the Balkans is very similar to what happened to Muslims in Spain seven centuries ago. Moreover, the Muslim tragedy is not merely that we are split into nation states on the Western pattern, instead of forming one single United States of Islam, we do not even have a common foreign policy where our common interests are involved. We have no common strategy, no common desk for such strategy, and no supreme command by common consensus to execute the strategy. We meet here and there at random, always belatedly when the danger is already on our heads, valuable time is lost during which the ever alert and prepared enemy gains important ground, arriving not just to knock at our doors, but, literally, having battered down our doors, sitting smug inside our homes!

Some one has said very truly: '*the great lesson of history is that man never learns from history*'.

Whether some learn or not, certainly, Muslims never will!

V**********V

Israel's interest in the Balkans is not directly involved; and, therefore, the USA need not bother about Bosnia-Herzigovina beyond verbal expressions of sympathy and humanitarian aid.

What all this boils down to is that until the USA gets the Jewish lobby off its back, the Muslim world may not expect much from that super power or the lesser powers.

However, even if such riddance came about, there would be other obstacles to overcome: religious chauvinism, for one.

TODAY, the position into which Bosnia-Herzigovina been pushed by the arms embargo brings tears to our eyes. Besides millions in the other enclaves, Four-hundred-thousand humans, most of them old men, women and children, are besieged in their metropolis alone. The Serbarian ring around the battered city is drawing tighter and tighter . UN's ultimatums for withdrawal from the overlooking hills have not only been ignored with laughter, the strategic positions are being constantly reinforced. The NATO threats having proved mere bluffs over the months before, are being taken as bluffs today.

The situation is so desperate that there are today but two alternatives open to the Muslims:

> either evacuate every Muslim,-- man, woman and child-- from Sarajevo and the rest of the country;

or

> that Muslim countries break through the arms embargo, and carpet-bomb Belgrade and other strategic towns and villages of Serbia and all serbarian held territory of Bosnia-Herzigovina, followed by attacks by ground forces.

Muslim countries certainly have the potential, the courage and the zeal, but the will seems to waver between duty and American assent.

Yet the call of the hour is

STRIKE TODAY; TOMORROW MAY BE TOO LATE!

SITTING DUCKS

We find it difficult to believe that men and women who become presidents and prime ministers of the greatest democracies, are so naive as not to see that the Serbarians have no intention, ---never had any---to negotiate for peace. Their

it made several attempts to assassinate Mrs. Indira Gandhi. She lost no time announcing that the CIA was trying to kill her. Fearing that success would expose it, further attempts were given up.

During the Gulf War, Rajev Gandhi opposed the refuelling of American bombers on Indian soil and, later, was highly critical of American actions in Bangla Desh and elsewhere. He was finished off in one single blast and the CIA's media manipulated palming the blame on to the Tamil Tigers.!.

While we deplore these facts, we are not unconscious of the other side of the picture. The American humanitarian services around the globe are fully acknowledged.

President Bill Clinton's efforts to persuade Britain and France, if unsuccessfully, to lift the arms embargo against the Muslims of Bosnia-Herzigovina are also appreciated. But here, again, the question arises why, if the USA can go about bombing innocent Iraqis and be so actively involved in Somalia, it cannot take similar action in the Balkans.

The answer has been provided by Secretary of State Warren Christopher, which I quoted in my article, LESSONS FROM BOSNIA, published in this journal in Jul 93, and a little more concisely by TIME in its December 1992 issue (p.9): "*.....If Somalia, why not Bosnia?..... In Bosnia, unlike Somalia, a lot of them might get killed.*" But this is for ground troops. Our question is, 'If Iraq, why not the Serbarians?'

Muslim Bosnia does not want foreign ground troops at all. It calls only for the lifting of the arms embargo. What we, over the world, want to know is why are Britain and France insisting that the Muslims of Bosnia should get killed like sitting ducks?

But there is much more to it than deploring, questioning and answering in public. Interlocked is the Israeli interest. The USA may rule the world in a sort of way, but Israel rules the USA, and Britain rules both Israel and the USA, each by its own peculiar strategy.

USA's demolition of Iraq's military power is very much in Israel's interest. Attributing the US intervention in Iraq to oil is superficial logic, for, Iraq's control of Kuweiti oil would make no difference to oil supplies to USA or anyone else; the difference would be to Iraqi military potential; that is, in the long run, to Arab potential. This is what Israel and, therefore, USA fears. If Israel's interests could be substantially served by practical assistance to the Balkan Muslims, USA, France and Britain would never have imposed an arms embargo against them. Indeed, they would have plunged deep into the war. There would be perfect peace in these parts today.

FROM U.S STATE TERRORISM TO BOSNIA SITTING DUCKS

--SHAKIR RIZWANI

IN THE DARK HOURS OF A PRE-DAWN OF JUNE LAST (1993) A number of United States bombers rained terror on sleeping Iraqis, killing an unestimated number of men, women and children. Reason given the next day was that an attempt had been made by Iraqis on the life of US President George Bush, while he was on a state visit to South Korea and so Iraq had to be punished somehow.

Subsequently, the Security Council was asked to endorse the validity of the US action. This the Security Council by a unanimous vote refused to do. In fact, the whole world condemned the action as outrageous.

Several questions arise as to the moral and legal admissibility of punishing innocents for a crime that neither they nor their friends or relatives committed. The killing of the innocent Iraqis adds one more proof to the list of international crimes the United States has been committing against humanity ever since the end of World War II. While this super power accuses other countries, such as Iran and Libya, of terrorism, and is reported to be considering whether or not to declare Pakistan such a state as well, it has itself, by its own standards and definition, long since emerged as the greatest and most infamous terrorist state of the century.

The USA is not a super power for nothing. It has all the wealth required for the accomplishment of its ambitions and all the technology for the domination of its double standards.

A brief list of its more indubitable crimes may be repeated here:

the years-long bombing of Vietnam was not a war but sheer terrorism;

it had Salvador Allende, the Communist President of Chile, assassinated in 1973, after manipulating a military coup;

it bombed Libya in an attempt to assassinate Moammer Ghaddafi. Failed to achieve the target but succeeded only in killing innocent civilians;

it sent an armed force to get liberated certain hostages held by Iran and to assassinate Ayatullah Khomeini. Failed in both;

putting a wedge of un-Quuranic ideals into the Quranic way of life. We take for instance, the **Federal form of government** under which we are living today. The constitution framing body of a Federal government has to bear the burden, not only of providing two sets of governments but also of determining the manner in which the total of the governmental power shall be distributed amongst them. *The task is so difficult that a satisfactory performance of which at one time is impossible.* The organs of government in a federation instead of being parts of one highly integrated piece of administrative machinery are parts of many administrative systems. Thus a uniform policy for common good can only be secured if the admmistrative systems *voluntarily cooperate with one another.* This is something which is often difficult. More serious still , the difference of interests may bring the several units in to sharp conflict with each other, or collectively into conflict with the central Government. Even when there is no conflict great loss often results when a given work is not under a single direction. Moreover, in the conduct of foreign affairs often the Federal Gorenment exhibits inherent weakness and inconsistency. I am not putting up a theory. **We in Pakistan, are in the thick of turmoil. Rather since its inception, the state of Pakistan is in utter confusion. Our political leaders, our clergy and our judiciary have been trying to find a way out of it with no success. Why? Because we are living under a system in which there is no centralisation of authority and without the centralisation of authority it is not possible to give a practical shape to Allah's sovereignty. We are today subservient to Mullas, Faqirs and all sorts of political and intellectual exploiters whereas the holy Quran has openly declared:**

(17:22) لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا

"Devise not an other sovereign with Allah or thou wilt sit down despised forsaken."

(This article appeared in the Friday Review, NATION DAILY,dated 18 June 1993, without the Quranic Test)

the situation changed later when kingship replaced the caliphate. The kings for their own selfish ends bifurcated Religion and Politics ; and the 'Deen' remained no more. The worldly affairs came to be decided by the kings themselves. and as regards matters related to 'shariat' there remained no option left for the people except, to get them decided by the persons other than the central authority Thus the concept of 'Allah and His Rasool' became non-existent.

Henceforth a new concept of Allah and His Rasool, took its birth. Obedience to Allah became rightly considered as obedience to the Quran. But how to obey the Rasool after the central authority remained no more ? Thus a need for collecting the Ahadis of the Rasool (PBUH) arose. There was no need for it as long as the CENTRE existed, but with the beginning of kingship it became a necessity. Ahadis are considered to be the verbal sayings of the Rasool (PBUH) but the spoken words when uttered are gone for ever, like the breath which carries them. Thus difference in Ahadis became inevitable and the interpretation of the Quran and Ahadis became different with the different sects. Verbal disputes and mud- slinging against each other became a common and un-ending practice. The results are before us today. Scores of sects exist today and every one of them poses to be the champion of obedience to the Rasool (PBUH) but because the central authority is non- existent, there is no body to decide what is right and what is wrong.

How can we get ourselves rid of this situation?

The only way to bring about the solidarity of Ummah is the re-establishment of KHILAFAT ala- MINHAJ-E-NABUWWAT.

If any body is under the impression that there is no likelihood of bringing back the Quranic way of life, he must not keep himself under the false deception that it is possible to keep the state of Pakistan going by

leadership of the مرشد (leader of a religious order) shall require the testimony of the CENTRE.

Let me clarify at the and that the interpretation of the words 'Allah and His Rasool' as the centre of an Islamic state may not cause any misunderstanding. What I mean to say is that COLLECTIVELY THE QURAN CONSIDERS THE OBEDIENCE TO THE CENTRE, AS THE OBEDIENCE TO ALLAH AND HIS RASOOL, UNDER THE CONDITION THAT THE CENTRE امامِ وقت (leader of the time) STRICTLY OBEYS THE INJUNCTIONS, LAWS AND THE PERMANENT VALUES LAID DOWN BY THE QURAN. But the question arises, was this process of centralisation of power and the obedience to the centre limited to the life of the Rasool (PBUH). The Quran makes it clear that it does not mean that this organisation of 'Deen' shall exist only as long as Muhammad (PBUH) lives and that it shall get dissolved after his death. Thus it is said:-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ
وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

(3:143)

"Muhammad is no more than a Rasool, many were the Rasools who passed away before him. If he died or were slain will you then turn back on your heels. Not the least harm will be done to Allah. Allah on the other hand shall swiftly reward those (who serve Him) with gratitude."

It means that the Deen or the system of life prescribed by Allah the Almiglty shall be continued after the death of the Rasool (PBUH) because the system based on eternal principles is not shaken by the death of an individual no matter how important his position may be.

The above described system of centralisation of authority continued during the life time of the Rasool (PBUH) and his immediate successors. But

this that the entire ummah is now living a life of disgrace and humiliation because the life of a Millat is extremely difficult without a CENTRE.

The following verse of the holy Quran provides a complete sketch of the collective Quranic Social Order :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (۴:۵۹)

" O you who believe ! Obey the system, established by the Rasool in accordance with the Allah's laws ; and obey the local authorities appointed by this order. In cases of disputes with the local officers an aappeal can be made to the central authority for order. This will constitute evidence that you believe in Allah and the hereafter. That is best and most suitable for final determination."

Thus according to the above said verse the people have got the right to appeal to the CENTRE for any wrong decision by the local authorities , the CENTRE being the final authority to decide.

It is evident from what has been explained above that the CENTRE has a complete control over the entire collective system. It has got the authority to appoint civil, military and judicial officers and also the officers of all other departments of the state. It shall continue to settle all disputes between the public and the local authorities. No individual shall remain outside the control of this system.

In this system the Quran allows the intellectuals, freedom of expression, as well as of Ijtehad ; **and also assigns them degrees according to their intellectual capacities, but does not consider the intellectuals as** مطاع **'Mattaa i.e, those to whom obedience is due.**

The results of research and Ijthad by the intellectuals shall not be considered as binding on the people unless they are verified by the CENTRE. **Thus the sermons of the** واعظ **preacher and the**

"It is not fitting for a believer man or woman, when the matter has been decided by Allah and His Rasool, to have their own option about the decision."

It means that CENTRE is the final authority to make decisions and a Muslim has got no way of escape from it. Any disobedience to it shall be going the wrong way.

OBEDIENCE

As stated earlier, the Quran ordains subservience to Allah alone and to no body else. As a matter of fact the word الله (اَلْاِلٰه) itself means the only ONE to whom subservience is due. Even for parents (بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۲:۱۵۲) has been ordained, which means to do good to tham and treat them gently and respectfully. There is no order in the Quran for their obedience. Thus obedience, in matters of 'Deen' individual or collective is for Allah alone. Individually obedience to the Quran means obedience to Allah ; and collectively obedience to CENTRE is obedience to Allah. As long as the Rasool (PBUH) was personally present amongst the ummah, the obedience to him was the obedience to Allah. After him the obedience to his living successors appointed as custodians امامتِ کبریٰ, is the obedience to Allah ; their duty being to enforce orders in consonance with the Quran, and in doing so keep , the individuals elected by ummah, with them for consultation. Their order shall be final and decisive and any body who disobeys them shall be the enemy of Allah and His Rasool.

Thus Islam is not a religion which means a private relationship between God and an individual ; but it is a complete code of life, which unfortunately the Muslim ummah has missed, since long. It is on account of

DUTY OF THE UMMAH

As a matter of fact Islam means obedience. The Islamic Ummah ha been ordained to remain obedient to the centre :

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (24:54)

"Say: obey Allah and obey the Rasool, but if you turn away he is not responsible for the duty placed on him, and you for that placed on you. If you obey him you shall be on the right guidance. The Rasool's duty is only to preach the clear message:"

Momineen are ordained to remain faithful to the centre and not to betray the trust :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (8:27)

"O you who believe ! Betray not the trust of Allah and the Rasool ; nor misappropriate knowingly things entrusted to you."

The obedience to the CENTRE provides you means to success:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (24:51)

"The answer of the believers when summoned to Allah and the Rasool, in order that he may judge between them, is no other than this : They say :We hear and we obey : It is such as these who shall obtain felicity."

Those who disobey the commandments of the CENTRE shall be the most wretched :

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ (58:5)

"Those who resist Allah and His Rasool, will be among those most humiliated".

The order of the CENTRE shall be final and decisive:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ ..... (۳۳/۳۶)

guidance to the CENTRE of an Islamic state, to enable them to rule in accordance with the Quranic injunctions. Thus it is said :

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ .... (4:105)

"We have sent down to you the book in truth, that you might judge between men, as guided by Allah."

Taking guidance from another source is strictly frohibited :

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ...... (5:48)

"So judge between them by what Allah has revealed and follow not their vain desires diverging from the Truth that has come to you."

The CENTRE is strictly warned, not to be idle as regards the guidance of the Quran and abide by it with utmost care:

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ
أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ...... (5:49)

"And thus (He commands), you judge between them by what Allah has revealed, and follow not their vain desires ; but beware of them lest they beguile you from any of that (teaching) which Allah has sent down to you." It means they may not put you in some trouble by taking your attention away for Allah's guidance.

The Quran has warned further by saying:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (5:47)

"If any do fail to judge by what Allah has revealed , they are indeed *Fasiqeen* (i.e.Those who break the prescribed pattern). At yet another place is said: " They are *Kafiroon* (no less than nonbelievers).

Similarly on the occasion of proclamation on the day of Hajj -e-Al to dissolve treaty obligations with the 'MUSHREKEEN' it is said :-

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ ... (9:3)

" And an announcement from Allah and His Rasool to the peo (assembled) on the day of حج اکبر the great pilgrimage ----- that Allah His Rasool dissolve (treaty) obligations with the pagans."

The rebels and the dacoits who rose against the centre of the Isla state are described in the Quran as waging war against Allah and His Rasc Thus it is said :

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا ..... (5:33)

" The punishment of those who wage war against Allah and His Rasool a strive with might and main for mischief through the land is Execution Crucification"

The above said punishment for those who rebel against the cent remains for over. It is not limited to the time of the Rasool (PBUH).

There are scores of other verses in the holy Quran where the wor "ALLAH AND HIS RASOOL" have been used for the centre of the Islan state.

THE RULES OF PRACTICE

The holy Quran is as much a code of life for the collective affairs mankind , as it is for their life as individuals. It is a book complete in a respects and provides guidance irrespective of age and circumstances. Thu whereas it has provided guidance to the indiduals, it has also provide

(8:20) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۚ

" O you who believe ! Obey Allah and His Rasool and turn not away from him, when you hear (him speak)."

The word عنه in the above said verse is singular which indicates,'Allah and His Rasool' means one thing or a central authority; otherwise the word ought to have been عنهما (plural). Moreover the words انتم تسمعون in this verse "When you are hearing a living person " , means THE OBEDIENCE FACE TO FACE.

As a matter of fact, in Arabic language اطاعت means obedience to a living person.

At yet another place it is said :

(8:24) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ.....

" O you who believe ! Give your response to Allah and the Rasool when he calls you to that which will give you life."

Here again word دعا is singular and has been used for Allah and His Rasool " together. Again it may be emphasised that this injunction is not limited to the life of the Rasool (PBUH); it is also applicable to the successors of the Rasool (PBUH).

The day following the defeat in the battle of 'Uhad' the Rasool (PBUH) ordered his troops to go in pursuit of the enemy . This order was in his capacity as an Imam. The Quran has again used for it words "Allah and His Rasool" Thus it is said :-

(3:171) اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ.....

" Of those who answered the call of Allah and the Rasool even after being wounded."

Rasool as an IMAM (Leader). His duty as a leader of the Ummah was, its organisation in order to make it a One complete whole, to act as a judge in their disputes, to guide them in their expeditions in war and peace ; to lead them in their social affairs. The obedience to the Rasool in these matters is also obligatory.

In his duty as a Messenger of Allah the Rasool (PBUH) had to work single handedly without entering into any consultation. Thus it is said:-

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ.....

(5:67)

"O Rasool ! proclaim (the message) which has been sent to you from your Rabb. If you do not do so you would not have fulfilled and proclaimed the mission."

On the other hand in his capacity as an Imam (the leader) the Rasool was ordained consultation:-

(3:159) شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ.....

"O messenger of Allah ! consult them in the affairs (of moment) ."

This great leadership which has been entrusted upon you, shall continue for ever through your living descendents. All the injunctions laid down in the Quran pertaining to the Rasool (PBUH) are not limited to the person and the life time of the Rasool. These are rather meant for the office of the Rasool, the successors of the Rasool included.

The obedience to the Rasool is the obedience to Allah:

(4:80) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

"He who obeys the Rasool obeys Allah ".

Obedience to the successors of the Rasool (PBUH) is also the obedience to both Allah and His Rasool. Thus it is said:-

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ.... (6:115)

"Say shall I seek for judge other than Allah when it is He who has sent unto you a detailed Book"

Follow only this Book and not those whom you consider as your friends and protectors:-

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (7:3)

"Follow that which is revealed to you from your Rabb and do not follow those whom you consider as friends and protectors other than Him . This course of life is clear but people do not follow it completely".

Those people who consider the subservience to their chiefs and elders as a means of preservation from loss and calamity shall witness just an opposite result on the day of judgment . This it is said:-

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝
رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝ (33:67-68)

"And they will say ; Our Rabb we obeyed our chiefs and our great ones and they misled us from the (right) path. Our Rabb ; Give them the double penalty and curse them with a great curse "

The status of the Rasool (PBUH).

The duties entrusted by Allah to His Rasool (PBUH) were of two kinds:-

Rasool as a messenger Which means to carry the message of Allah to humanity in its entirety; the affirmation of and the belief in the message carried by the Rasool (PBUH) is indispensable for the (Momineen) believers.

DECENTRALISATION OF MUSLIM UMMAH IS THE BASIC CAUSE OF ITS DEBASEMENT

The holy Quran has laid down the obedience to the central authority of an Islamic State as the basis of the Quranic Social Order because without it , the subservience to Allah the Almighty cannot be given a practical shape.

SUBSERVIENCE TO ALLAH THE ALMIGHTY

The holy Quran says:-

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(12 : 40)

"The command is for none but Allah. He has commanded that you obey none but Him. That is right دین (way of life,) most people are not aware of it".

Again it is said :-

(18:26) .... لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

"Nor does He share His command with any one whosoever."

For the sake of individual and collective guidance to mankind and in order to keep the human faculty of intellect in the right direction and further in order to clarify as to what is acceptable and what is non acceptable to Him, He gave humanity a code of life, complete and immutable in the form of Quran so as to enable them to lead a life full of virtues and free from all sorts of slavery in this world:

(6:156) وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

"And this is a book which We have revealed as a blessing, so follow it and be heedful of Allah's laws so that you may become worthy of receiving Allah's Rahmat"

Thus the obedience to Allah means the obedience to the Book of Allah:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

DECENTRALIZATION OF MUSLIM UMMAH IS THE BASIC CAUSE OF ITS DEBASEMENT

By

Dr. Syed Abdul Wadud

بسلسلہ

اسبابِ زوالِ اُمّت